جاری کردہ
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جون ۱۹۹۵

مدیر: خرم مراد

ادارۂ ترجمان القرآن

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر: خرم مراد

جلد ۱۲۱ | جون ۱۹۹۵ محرم ۱۴۱۶ | عدد ۶

فہرست مضامین

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ لاہور ۵۴۵۷۰

فون ۷۵۰۰۱۳۳ - فیکس ۷۸۳۲۱۹۳

انتظامی امور

۵-اے، ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

فون ۷۵۸۷۹۱۶ - ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ ۱۲/- روپے

زر سالانہ ۱۲۰/- روپے

مشرق وسطی ۳۵۰/- روپے

بنگلہ دیش ۳۰۰/- روپے

یورپ، مشرق بعید ۶۰۰/- روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۷۰۰/-

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

۶۰ سال پہلے

ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ دورِ حاضرہ کی عالمگیر بیداری سے قبل خود اہلِ یورپ ہی نے کون سی قابلِ قدر اور قابلِ وقعت تاریخیں لکھی ہیں جنھیں مستند اور قابلِ اعتماد سمجھا جاسکتا ہو اور جن پر صحیح معنی میں تاریخ کا اطلاق ہوسکتا ہو۔ پہلے وہ اپنا کوئی کارنامہ پیش کریں اس کے بعد دوسروں کے منہ آئیں۔

اس زمانے میں یورپ خود جہل کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہاں نہ علم تھا نہ مذہب۔ نہ معقولیت نہ انصاف۔ پادریوں کی نفسانیت و دنیا طلبی و حرص و وجاہت پرستی کا نام مذہب رکھ لیا گیا تھا۔ ان پادریوں کے مسلک کے خلاف کوئی کہتا تھا یا لکھتا تھا تو مرتد قرار پاتا تھا اور دردناک عذاب سے قتل کر دیا جاتا تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ ان پادریوں کے ظلم و نفسانیت کا شکار ہوتے رہتے تھے۔ جو کتابیں پادریوں کے خلاف لکھی جاتی تھیں وہ جلا دی جاتی تھیں۔ نہ آزادیِ خیال کا وجود تھا نہ آزادیِ تقریر کا‘ نہ آزادیِ تحریر کا۔ ترقی کی راہیں مسدود تھیں۔ جس زمانے میں حق بات کا زبان سے نکالنا ناقابلِ معافی جرم ہو‘ سچی تاریخ نویسی کا وجود کیوں کر قیاس میں آسکتا ہے؟ اس زمانے میں اس ملک میں بھی خوش عقیدگی یا خوشامد کی بنا پر اکابر قوم کے حالات مبالغہ آمیز نظم یا نثر میں تصنیف کیے جاتے تھے۔ سنہ وتاریخ کا کوئی اندراج نہ ہوتا تھا۔ ان تصنیف شدہ حالات میں بعد میں بھی گم نام مصنفوں کی طرف سے مزید مبالغہ آمیز اضافے ہوتے رہتے تھے۔ اور صدیوں بعد ان ہی ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ سے ”تاریخی واقعات“ کا استخراج کیا جاتا تھا اور ان پر تاریخی تصانیف و تالیفات کی بنیاد رکھی جاتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد اصلی مصنفین کے وجود میں بھی اختلاف ہو جایا کرتا تھا اور بحثیں چھڑ جاتی تھیں کہ مصنف اصلی کا لکھا ہوا حصہ کتنا ہے اور بعد میں اضافے یا تغیرات کیا کیا ہوئے۔

دوسری چیز جس پر اس دَور کے تاریخ نویسوں کا دارومدار رہا ہے سیاحوں کے سفرنامے ہیں مگر ان کا معتبر ہونا بھی یقینی نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں جسے امن و آزادی کا زمانہ کہتے ہیں جب کہ جہاز‘ دخانی گاڑیاں‘ ہوائی جہاز‘ موٹر اور دیگر جدید سازوسامان کی بدولت سفر اس قدر آسان ہوگیا ہے‘ جب کہ اجنبی ممالک میں سیاحوں کے ٹھہرنے کے لیے ہوٹلوں کی آسایش اور حالات ملک دریافت کرنے کے لیے نقل و حرکت کی آسانیاں اور لوگوں سے میل جول پیدا کرنے کے لیے بکثرت کلب اور سوسائٹیاں موجود ہیں‘ یورپ اور امریکہ سے جو سیاح ہمارے ملک میں آتے ہیں وہ ہمارے ملک کے صحیح حالات سے بے خبر رہتے ہیں اور غلط حالات شائع کرتے ہیں۔

(سید ذوقی شاہ ’کتب سماوی پر ایک نظر‘ جلد ۶‘ عدد ۲‘ ص ۱۲۸-۱۲۹‘ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ‘ جون ۱۹۲۵ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دہشت گرد کون؟

خرم مراد

یہ بیت المقدس نہیں تھا' یہ بغداد نہیں تھا' یہ سرائیوو نہیں تھا' یہ گروزنی نہیں تھا' یہ چرار شریف بھی نہیں تھا---یہ امریکہ کے عین قلب میں واقع اوکلاہوما کا شہر تھا۔ مگر--- ۱۹ اپریل کو شہر کے وسط میں ایک کار میں ہزاروں پونڈ کا ٹائم بم' اس کا قیامت خیز دھماکا جس سے ۲ میل دور تک کی عمارتیں ہل گئیں' سرکاری دفاتر کی نو منزلہ دیو ہیکل عمارت جو آناً فاناً ملبہ بن گئی' جلی ہوئی مسخ شدہ لاشوں کا انبار (۱۳۷ نکالی جا سکیں' ۶۰ سے زیادہ راکھ بن گئیں)' معصوم بچوں کے بکھرے ہوئے اعضا' ان کے خون آلود جسم اور ان کی دل دوز چیخ و پکار---سارا منظر ایسا لگتا تھا گویا انھی شہروں میں سے کسی شہر سے اٹھا کے لا کر یہاں رکھ دیا گیا ہو۔

"میں نے سرائیوو میں یہ سب کچھ ہوتے دیکھا تھا' سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ کبھی یہاں امریکہ میں بھی وہی کچھ تباہی دیکھوں گا"۔ ایک دیکھنے والے نے کہا۔ حالانکہ سرائیوو اور بوسنیا میں ایک عرصے سے جس بربریت اور سفاکی کا مظاہرہ ہو رہا ہے' گروزنی اور چیچنیا میں جو قیامت بیت چکی ہے اور بیت رہی ہے' اور جس کو امریکہ اور یورپ خاموشی (اور شاید اطمینان) سے دیکھ رہے ہیں' اس کے مقابلے میں سیکڑوں اوکلاہوما بھی کچھ نہیں۔

ہفت روزہ نیوز ویک کے مطابق: "امریکہ کے قلب میں اس ایک تباہ شدہ عمارت کے نیچے یہ غلط خیالی بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو گئی کہ ہم کم از کم اپنے گھر میں محفوظ ہیں"۔ اگرچہ امریکہ میں' اوکلاہوما کے بغیر بھی' اس غلط خیالی کی کچھ زیادہ گنجایش نہیں تھی۔ اس امریکہ میں جہاں کے شہری آپس میں آتشیں اسلحے کے بے محابا استعمال سے ہر سال ۲۲ ہزار بے گناہوں کا خون بہاتے ہیں' جہاں کوئی

سر پھرا اٹھتا ہے اور بلا کسی محرک کے تڑتڑ درجنوں اَن جانے انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے ' جہاں حکومت اسلحے کے اس بے روک ٹوک استعمال پر کوئی برائے نام پابندی لگانے سے بھی عاجز ہے۔ لیکن یہی حکومت دنیا بھر کی پولس مین بنی پھرتی ہے ' اگرچہ اس پولس مین کا سارا زور صرف مسلمان ملکوں کو نہ صرف نیوکلیر بلکہ ہر قسم کے اسلحے سے محروم کرنے پر لگا ہوا ہے۔

اہلِ امریکہ اور مغرب ' بڑے اہتمام سے ' عرصے سے ' خود کو یہ باور کرائے بیٹھے ہیں کہ "ہم" اتنے مہذب اور انسانی حقوق کے اتنے بڑے محافظ ہیں کہ درندگی کی ایسی حرکات "ہم" تو کر ہی نہیں سکتے ' یہ "وہ" ہی کر سکتے ہیں جو باہر کے ہیں۔ باہر کے بھی کون لوگ؟ خبر سنتے ہی عام امریکیوں کو اس کے علاوہ کچھ نہ سوجھی ' اس لیے کہ ان کے حکمران اور میڈیا ان کو یہی باور کرا چکے ہیں ' کہ یہ دہشت گردی "مڈل ایسٹ میں پیدا ہونے والے" لوگوں (یعنی عرب مسلمانوں) اور اسلامی بنیاد پرستوں کے علاوہ کوئی اور کر ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ ذمہ دار لیڈروں نے فوراً ٹی وی ' ریڈیو اور اخباروں سے "فتوے" جاری کر دیے ' کسی ادنیٰ سے بھی ثبوت کے بغیر گم نام چشم دید گواہوں کے حوالے سے ' ملزمین کی "داڑھیوں" اور "کالے بالوں" کا ذکر نشر ہونے لگا ' ایک بے گناہ مسلمان عرب امریکن کو لندن ایر پورٹ سے گرفتار کر کے امریکہ واپس بھی لے آیا گیا۔

نتیجتاً مسلمانوں کے خلاف پارہ چڑھنے لگا ' نفرت کا لاوا ابلنے لگا ' ٹیلیفون بجنے لگے ' مسجدوں اور گھروں پر خوف ناک دھمکیوں کا تانتا بندھ گیا ' دوستوں نے آنکھیں پھیرلیں ' سڑکوں پر گالیاں دی گئیں اور "بچوں کے قاتل" کے لقب سے نوازا گیا۔ یہ سب کچھ دہشت گردی کی اس تعریف میں تو آ نہیں سکتا جو امریکہ تسلیم کرتا ہے ' لیکن نتیجہ وہی نکلا جو دہشت گردی کا نکلتا ہے۔ یعنی تمام مسلمان ' امریکن ہوں یا باہر سے آئے ہوئے ' اس وقت تک شدید خوف و ہراس کا شکار رہے جب تک اصل مجرم پکڑ نہ لیا گیا۔ یہ مجرم کون نکلا؟ ایک بالکل سفید فام ' اصلی اور نسلی امریکن ' سابق فوجی جو عراق میں داد شجاعت دے چکا ہے اور سیکڑوں عراقیوں کو ہتھیار ڈالنے کے باوجود موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

پتا چلا کہ یہ دہشت گردی نہ کسی "شیخ عبدالرحمن" کے آتشیں وعظ و نصیحت کا نتیجہ ہے نہ کسی "یوسف رمزی" کی شہ کار منصوبہ بندی کا۔ نہ یہ مڈل ایسٹ سے آنے والے کسی براؤن آدمی کا کام ہے ' نہ کسی اسلامی بنیاد پرست کا۔ نہ یہ مسلمانوں کے سروں پر جابر و مستبد حکمرانوں کو مسلط رکھنے ' قلبِ اسلام میں اسرائیل کا خنجر گھونپنے ' فلسطینیوں کو بے گھر کر کے تتربتر کرنے اور دربدر کی ٹھوکریں

کھلانے' عراق میں ہزاروں فوجیوں کو زندہ جلا دینے اور زمین میں دفن کر دینے' ایرانی طیارے کو میزائل سے مار گرانے' الجیریا میں جمہوری تبدیلی کو سبوتاژ کرنے' مسلمان معاشروں کو اسلام کے مطابق جینے سے روکنے کے خلاف کسی بے بس و مجبور کا ردِعمل یا احتجاج ہے۔ اور نہ غربت اور معاشی پس ماندگی کا نتیجہ۔ یہ نہ اس ایران کی شہ پر ہوا ہے جو امریکہ کو شیطان عظیم کہتا ہے اور جس کو امریکہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ملک قرار دے چکا ہے' نہ ان باقی ماندہ چار مسلمان ممالک' سوڈان' لیبیا' عراق یا شام میں سے کسی کی شہ پر' جن کو امریکہ ہر سال دہشت گرد قرار دینے کی رسم ادا کرتا ہے۔

یہ بھی پتا چلا کہ مجرم نہ تنہا ہے نہ دماغی مریض۔ چند لوگ نہیں لاکھوں لوگ ہیں ۳۰ ریاستوں میں ان کا جال بچھا ہوا ہے' منظم ہیں مسلح ہیں' کیل کانٹے سے لیس ہیں' جاہل نہیں تعلیم یافتہ ہیں' مہذب ہیں' کالے اور براؤن نہیں بالکل سفید فام ہیں' عرصے سے کتابچوں اور کمپیوٹر کے انٹرنیٹ کے ذریعے بم سازی اور دہشت گردی کے نسخوں کی اشاعت کر رہے ہیں۔ یہ ہیں جو اپنی حکومت کو "شیطان عظیم" کہتے ہیں' اپنی آزادیوں اور حقوق کا "دشمن نمبر ایک" سمجھتے ہیں' اس کے جبر و ظلم کی وجہ سے اسے "درندہ صفت" قرار دیتے ہیں۔ اور وہ حکومت جو دنیا بھر سے "یوسف رمزیوں" کو پکڑ کر امریکہ لا رہی ہے' ان سے غافل ہے یا صرفِ نظر کیے ہوئے ہے۔

یہ حقیقت نکلی اس واقعے کی جسے امریکہ اپنی سرزمین پر دہشت گردی کا سب سے بڑا واقعہ قرار دے رہا ہے۔ سب سے بڑا واقعہ تو یہ اسی صورت میں کہا جا سکتا ہے جب ہم کولمبس کی آمد سے لے کر اوکلاہوما تک کی تاریخ کے وہ باب نہ کھولیں جن میں اس تشدد کی داستان رقم ہے جس نے ریڈ انڈینوں کا نسلی استیصال کیا' امریکہ کی سرزمین کو ان سے "پاک" کیا' انھیں "محفوظ علاقوں" کے اندر دھکیل دیا' اور نسل پرست کوکلکس کلین جیسی تنظیموں نے کالوں کو زندہ جلایا۔ لیکن بہرحال اس بہت بڑے واقعے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امریکہ' جو دنیا بھر میں مسلمانوں اور مسلمان ملکوں کو دہشت گرد ٹھیرانے کی مہم میں پیش پیش ہے' خود اپنی گود میں امریکن دہشت گردوں کا کتنا بڑا گروہ پال رہا ہے۔

مجرموں کی شناخت کے بعد' چاہیے تو یہ تھا کہ یہ دوسری غلط خیالی بھی اوکلاہوما میں دفن ہو جاتی کہ ایسے کام "وہ" یعنی مسلمان ہی کر سکتے ہیں "ہم" نہیں۔ لیکن ایسا ہو گا نہیں۔ حکومت اور میڈیا اس غبارے میں برابر ہوا بھرتے رہیں گے جس پر "دہشت گرد" اسلام کی تصویر پینٹ کر دی گئی ہے۔

انکشافِ حقیقت کے بعد' یہ بھی چاہیے تھا کہ مسلمانوں کے خلاف "فتوے" واپس لیے جاتے دنیا بھر کے مسلمانوں سے' بالخصوص امریکن مسلمانوں سے معافی مانگی جاتی' یا کم سے کم ان سے معذرت کی جاتی۔ لیکن اس غبارے کو اڑتا رکھنے کی سیاسی ضرورت کی وجہ سے یہ سب کچھ کرنے کا کیا

سوال تھا ' ضرورت ہی نہیں محسوس کی گئی۔

بلکہ صورتِ حال اب بھی وہی ہے۔ اب بھی اس بات کا تصور تک خوف ناک ہے کہ اگر مجرم واقعی کوئی مسلمان ہی نکل آتا تو ' یا کوئی مسلمان اگر ایک دوسرا ''اوکلاہوما'' کر دے تو! تو غالباً وہی ہو گا جو ہندستان میں اندرا گاندھی کے قتل کے بعد سکھوں کے ساتھ ہوا ' مسلمانوں کے ساتھ برابر ہوتا رہتا ہے ' وہی بیتی جو بوسنیا میں بیت رہی ہے ' وہی کیا جاتا جو صدیوں تک یورپ میں یہودیوں کے ساتھ کیا جاتا رہا ' یا وہ جو روانڈا میں ہو رہا ہے۔

اگر ہم ان خوف ناک امکانات کو محض خیالی باتیں نہیں سمجھتے ' اگر اوکلاہوما کے بعد امریکی معاشرے کا موڈ اچانک مسلمانوں کے خلاف سیاہ پڑ گیا ' تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ اور اگر خلیجی جنگ کے وقت بھی اہلِ مغرب کا یہ موڈ ' اوکلاہوما کی طرح ہی ' مسلمانوں کے خلاف سیاہ رہا تھا (جیسا کہ ہفت روزہ ٹائم نے موازنہ کیا ہے) ـــ جس جنگ میں تقریباً سارے مسلمان حکمران امریکہ کے دوش بدوش ایک مسلمان ملک کو کچلنے میں شریک تھے ـــ تو اس بظاہر انتہائی تعجب خیز واقعے میں بھی تعجب کی کوئی بات نہیں ' اس لیے کہ سیاسی مفادات کی خاطر اسلام کی جو تصویر دل و دماغ میں بٹھائی گئی ہے اس کا نتیجہ یہی نکلنا تھا۔ خلیج میں مسلمان امریکہ کی طرف سے ہی لڑ رہے ہوں ' لیکن حملہ تو اسرائیل اور تیل کے چشموں کے خلاف ہوا تھا۔

اسی لیے ' واشنگٹن پوسٹ کے کالم نویس اسٹیفن روزفیلڈ کو تو یہ کہنے میں کوئی باک نہیں: ہاں ' مسلمانوں پر الزام لگانے میں جلد بازی کی گئی ' اور یہ قابلِ مذمت ہے ' خطرناک ہے۔ ہاں ' مجھے اعتراف ہے کہ میرے ذہن میں بھی پہلی بات یہی آئی تھی کہ یہ کام مسلمانوں کا کیا ہوا ہے۔ لیکن ہمارے اس ردعمل کی بنیاد کوئی سفلی تعصب نہیں۔ یہ صرف اسلام کی ''تصویر'' کا مسئلہ نہیں۔ اس کی تہ میں حقیقت بھی ہے۔ [قصور مسلمانوں ہی کا ہے] ' مسلمان گروہ دہشت گردی کرتے ہیں ' مسلمان اس کو جائز بھی سمجھتے ہیں ' مسلمان حکومتیں اس کی پشت پناہی بھی کرتی ہیں۔ ہم دوستی اور انصاف کے نام پر اندھے تو نہیں بن سکتے۔ یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ امریکن بھی دہشت گرد ہوتے ہیں ' لیکن کم سے کم ہماری حکومت ان کے خلاف تو ہے۔ [پھر دبے لفظوں میں یہ بھی کہتے ہیں] ہاں ' ہماری حکومت کو بیرونی ممالک میں غیر قانونی قتل جیسے اقدامات سے اجتناب کرنا چاہیے ' جنھیں دہشت گردی قرار دیا جاتا ہے ' اور جن سے ہماری اخلاقی ساکھ کو نقصان پہنچتا ہے۔ (روزنامہ دی نیوز ' ۱۲ اپریل)

حقیقت کیا ہے؟ یہی سب سے اہم سوال ہے۔ رومن حکمران، پونتیس پائلیٹ نے، سیدنا مسیح کے بارے میں یہی سوال پوچھتے پوچھتے، بالآخر انھیں صلیب پر چڑھانے کا حکم دے دیا تھا۔ ان رومن حکمرانوں کے آج کے جانشین بھی شاید اسی طرح مسلمان اور اسلام کو دہشت گردی کے الزام میں صلیب پر چڑھانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

مشکل یہ ہے۔۔۔اور طاقت وروں کے لیے آسانی بھی۔۔ کہ دہشت گردی کیا ہے، یہی سرے سے مبہم اور غیر متعین ہے۔ توہین رسالت کے قانون میں ابہام کے بارے میں تو اتنا شوروغوغا ہے کہ جرمنی کے صدر نے بہ نفس نفیس اس مسئلے کو پاکستان کے حکمرانوں کے سامنے اٹھایا، جبکہ اس جرم کے تحت آج تک کسی کو کوئی سزا نہیں ملی ہے۔ مگر دہشت گردی کا "جرم" بھی بڑا عجیب جرم ہے! ایک طرف اس جرم میں افراد ہی کو نہیں، پوری کی پوری قوموں بلکہ پورے مذہب وملت کو تختہ دار پر چڑھایا جا رہا ہے، مبینہ ملزموں کو دھوکہ اور فریب سے ہائی جیک کر کے گرفتار کیا جا رہا ہے (جو خود ایک دہشت گردی ہے)۔ دوسری طرف کسی قانون کے تحت اس کی کوئی تعریف موجود نہیں، کسی بین الاقوامی قانون کے تحت یہ کوئی جرم نہیں ہے، نہ اس کی کوئی سزا ہے (شکری، ۱۹۹۱)۔ بلکہ اس موضوع پر سب سے مستند کتاب کے مصنف کا کہنا ہے کہ دہشت گردی کی تعریف مبہم ہی نہیں مفقود ہے، مفقود ہی نہیں ناممکن ہے (Lacguer, 1977, p. 5)۔ جو بھی تعریف ہے وہ سخت متنازع ہے۔ کیونکہ یہ قانون کا مسئلہ ہی نہیں، سیاست کا مسئلہ ہے۔ ہر تعریف سیاسی تعریف ہوتی ہے، جس کا مقصد جرم کے تعین سے زیادہ ملزم کی مذمت ہوتا ہے، تاکہ اپنے مخالفین کی ناپسندیدہ حرکات کے خلاف کارروائی کا جواز ملے، اور ان کے خلاف اپنے تعصب اور اپنے سیاسی مفاد کے تقاضوں کی تکمیل ہو سکے (Rubenstein, 1977)۔

نتیجہ یہ ہے کہ جو تشدد اپنے مفاد میں ہو وہ برحق ہوتا ہے، جو اپنے خلاف ہو وہ ناحق ہے، دہشت گردی ہے۔ آج کا مجاہد حریت کل کا دہشت گرد ہے، اور آج کا دہشت گرد کل کا وزیراعظم (جیسے افغان مجاہدین، اسرائیلی وزیراعظم بن گوریان، کینیا کے صدر جوموکین یاٹا)۔ اگر تشدد کرنے والے اپنے ہیں، تو ہمدردی کے ساتھ ان کے محرکات اور ان کی حرکات کے جواز اور ان کے علاج کا تجزیہ ہو گا، ان پر غوروخوض ہو گا۔ ان کا جرم ان کا انفرادی جرم شمار ہو گا، پوری قوم مجرم نہیں ٹھہرے گی۔ جیسے امریکی دہشت گرد۔ اگر ان کے تشدد سے اپنے مفاد پر زد پڑتی ہو، وہ سیاسی یا تہذیبی دشمن ہوں، تو وہ سخت دہشت گرد قرار پائیں گے، "قابل تعزیر" ٹھہریں گے۔ ان کا کچھ بھی جرم، ان کا مذہب بھی مجرم، اور ان کا پورا ملک بھی مجرم جیسے مسلمان دہشت گرد۔

جو ملک طاقت ور ہیں' وہ دھڑلے سے اپنے مفادات کے حصول کے لیے جس کے خلاف چاہیں' جہاں چاہیں' جس قسم کی فوجی' اقتصادی' سیاسی کارروائی چاہیں' وہ کرتے ہیں۔ وہ پورے پورے ملکوں کو اپنے تشدد کا نشانہ بناتے ہیں' جیسے امریکہ نے عراق' پانامہ اور ہیٹی کو بنایا۔ جب چاہیں' جہاں چاہیں' جتنے چاہیں' بم گرا دیتے ہیں۔ جیسے اسرائیل لبنان پر گراتا ہے' تیونس تک پہنچ کر پی ایل او کے ہیڈکوارٹر پر گرائے' عراق کے نیوکلیر پلانٹ کو تباہ کیا' امریکہ نے کمبوڈیا کے چھوٹے سے علاقے پر اتنے بم گرائے کہ دوسری جنگ عظیم کی مہیب بمباری ماند پڑ گئی' طرابلس اور بن غازی کے شہری علاقوں اور کرنل قذافی کے گھر کو نشانہ بنایا۔ وہ اپنے ایجنٹ باہر بھیج کر حکومتوں کے تختے الٹ دیتے ہیں' جیسے سی آئی اے نے ایران میں ڈاکٹر مصدق کا تختہ الٹا۔ وہ بیرونی سربراہانِ حکومت اور لیڈروں کو قتل کرا سکتے ہیں اور ان پر قاتلانہ حملے کر سکتے ہیں' جیسے چلّی کے منتخب وزیراعظم ایلی اینڈے' کیوبا کے کاسترو' لیبیا کے قذافی' ایران کے صدر بہشتی اور وزیراعظم نوبہار' لبنان کے شیخ فضل اللہ' سعودی عرب کے شاہ فیصل' پاکستان کے جنرل ضیاء الحق' وغیرہ کے ساتھ کیا گیا۔ وہ ایک ملک کی پوری آبادی کو' بشمول عورتوں اور بچوں کے' طویل بھوک اور بیماری میں مبتلا کر سکتے ہیں' جیسے عراق میں۔

کیونکہ ان طاقت ور ملکوں ہی کے پاس دہشت گردی کی تعریف متعین کرنے کی طاقت اور اختیار بھی ہے' اس لیے وہ اپنے ان سارے افعال کو' اس ریاستی دہشت گردی کو' دہشت گردی کی تعریف سے باہر رکھتے ہیں' بلکہ انھیں حق و انصاف اور انسانیت کی فلاح کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں۔ مگر جن بے طاقت و بے بس لوگوں کے پاس اپنے اوپر مظالم کے خلاف احتجاج رجسٹر کرانے اور اپنی طرف توجہ مبذول کرانے کے لیے ہائی جیکنگ' اکا دکا بم پھینکنے اور قتل کے علاوہ اور کوئی ہتھیار نہیں ہوتا' ان کے افعال کو یہ طاقتیں بڑے شدومد سے بدترین دہشت گردی قرار دیتی ہیں' اور سارے عالم کو ان کے خلاف کھڑا کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرتی رہتی ہیں۔ اسی لیے لاکھوں کی بھارتی فوج کشمیر میں' روسی فوج چیچنیا میں' اسرائیلی فوج بیروت میں جتنا بھی قتل عام کرے' گھر جلائے' یہ جائز کارروائیاں ہیں۔ دہشت گرد کشمیری ہیں' فلسطینی ہیں' چیچن ہیں' اور پاکستان ہے اگر وہ مظلوم کشمیریوں کی مدد کرے!

تصویر کے بجائے حقیقت کی تلاش ہو تو یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ خود ان مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے جان و مال' ان کا مذہب اور ان کی عبادت گاہیں دہشت گردی سے کس حد تک محفوظ ہیں۔

عبادت گاہوں اور قبرستانوں کے خلاف تشدد اور بے حرمتی کی کارروائیوں کو بدترین دہشت

گردی قرار دیا جانا چاہیے۔ برطانیہ ' جرمنی اور یورپ میں مساجد اور قبرستانوں پر حملوں اور وہاں سور کے ٹکڑے پھینکنے کے ان گنت واقعات ہوئے ہیں۔ لیکن امریکہ اس لحاظ سے بازی لے گیا۔ کیلیفورنیا میں ' سان فرانسسکو سے ۱۵۰ میل دور ' یوبا شہر میں ۱۰ لاکھ ڈالر کے خرچ سے تین سال میں ایک خوب صورت مسجد تیار ہوئی 'جس کی تعمیر کی اجازت دینے میں ہی دو سال لگائے گئے۔ تیار ہوتے ہی یکم ستمبر ۱۹۹۴ کو آتش گیر کیمیائی مادوں کی مدد سے راتوں رات پوری مسجد کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ امریکہ ہر ملک میں تشدد کی ہر کارروائی کو خوب اچھالتا ہے ' پھر اس کی مذمت کے لیے بھی دباؤ ڈالتا ہے ' لیکن امریکن اخبارات ' ٹی وی اور ریڈیو نے اس حادثے کی خبر تک دینا گوارا نہ کیا۔ مسلمان خود کوشش نہ کرتے تو دنیا میں کسی کو اس کا علم بھی نہ ہوتا۔ گورنر پیٹرولسن کی طرف سے اس بہیمانہ جرم کے خلاف ایک لفظ بھی سننے میں نہ آیا ' نہ کسی اور حکومتی عہدے دار نے کچھ کہا۔ مسلمانوں کا بین الملکی پارلیمانی وفد ' فارن افیرز کے ۵ عہدے داروں سے ملا تو انھوں نے اس واقعہ کا نوٹس لینے سے بھی انکار کر دیا ' بلکہ الٹا مسلم ممالک میں "انتہا پسند مسلمانوں" کی زیادتیوں کا شکوہ کرتے رہے۔ (اگر پاکستان میں ' یا کسی مسلمان ملک میں کوئی چرچ جلا دیا جاتا تو---)۔ اس سے پہلے بیت المقدس میں مسجد الخلیل میں یہودی دہشت گردنے جو خون ریزی کی ' اس پر بھی یہی کچھ ہوا۔

اسلام کے نزدیک انسانی جان ' عبادت گاہ سے بھی زیادہ محترم ہے۔ برطانیہ ' جرمنی ' فرانس ' بلجیم وغیرہ میں سڑکوں پر اور گھروں میں مسلمانوں پر جو حملے مسلسل ہو رہے ہیں ' ان کا ذکر جانے دیجیے ' لیکن کسی کو پانی میں ڈبو دینے یا گھر میں جلا کر راکھ بنا دینے کی بہیمانہ دہشت گردی کیا کسی مسلمان "دہشت گرد" نے بھی کبھی کی ہے؟ لیکن دہشت گردی کے خلاف مہم چلانے والے ممالک میں رہنے والے مسلمان اس درندگی کا شکار بنتے رہتے ہیں۔ بس اس کے لیے میڈیا کا عنوان "نسلی تعصب" (Racism) ہے ' دہشت گردی نہیں۔ شکار ترک ' مراکشی ہوتا ہے ' مسلمان نہیں۔

۲۹ مئی ۱۹۹۳ کو کولون کے نزدیک واقع ' جرمنی کے شہر سولنجن (Solingen) میں دہشت گردوں نے ایک مسلمان گھر کو آگ لگا دی ' دو مسلمان عورتیں اور دو لڑکیاں گھر کے اندر جل کر مر گئیں ' ایک کھڑکی سے کودی ' وہ بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ یہ خاندان جرمنی میں ۲۰ سال سے مقیم تھا۔ اس نوعیت کا یہ پہلا واقعہ نہ تھا ' (نہ آخری ہو گا!) نومبر ۱۹۹۲ میں ' ہمبرگ کے قریب ' مولن (Molln) شہر میں دو مسلمان گھروں پر آتشیں بم پھینکے گئے ' اور ایک عورت اور دو لڑکیاں اپنے بستروں میں زندہ جل گئیں ' ۹ افراد شدید زخمی حالت میں بچ پائے۔ پیرس میں ' دو ہفتے قبل ' یکم مئی کو انتہا پسند صدارتی امیدوار لی پین کی ریلی کے موقع پر تین "سر منڈوں" (skinheads) نے ایک مراکشی مسلمان ' ابراہیم کو اٹھا کر دریائے سین میں غرق کر دیا ' اور خود مجمع میں گم ہو گئے۔ (پاکستان میں کسی کرسچین گھر کو

جلا دیا جاتا تو----)

تین مسلمان عورتوں اور پانچ لڑکیوں کو زندہ جلا دیا گیا تو جرمنی کے صدر کوہل نے کیا کیا؟ انھوں نے سولنجن میں جل کر مرنے والے مسلمانوں کے جنازے میں شرکت سے انکار کر دیا' نہ ان کے گھر گئے' بلکہ وہ آج تک کسی بھی ایسے گھر میں اظہار ہمدردی کے لیے نہیں گئے ہیں جہاں مسلمانوں پر حملہ ہوا ہو' وہ ان حرکتوں کی زوردار مذمت کرنا بھی ناپسند کرتے ہیں۔

کراچی میں دو امریکی سفارت کار مارے جائیں تو امریکہ ہل چل مچا دیتا ہے' ایف بی آئی کراچی آ اترتی ہے' اور ٹائم ' بغیر کسی ثبوت کے' یہ سرخی جمانے میں کوئی جھجک نہیں محسوس کرتا کہ "اسلامی تشدد نے دو جانیں لے لیں"۔ لیکن یورپ کے طول عرض میں عرصے سے ترک سفارت کاروں اور ترک مراکز کے خلاف جو دہشت گردی آرمینین اور کُرد کر رہے ہیں' ان کے خلاف یورپ کی حکومتیں تحفظ فراہم کرنے میں کیوں بالکل ناکام ہیں؟ جون اور نومبر ۱۹۹۳ کے دو دنوں میں کردستان ورکرز پارٹی نے ترکوں کے خلاف روزہ ۷۵ دہشت گردی کی کارروائیاں کیں۔ اسی طرح کی کارروائیاں آرمینین بھی کرتے رہے ہیں' مگر حکومتوں اور میڈیا کا غصہ اور نفرت ان دونوں کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ آرمینین بھی مظلوم ہیں' کُرد بھی مظلوم ہیں۔ کیا فلسطینی' کشمیری اور الجیرین مظلوم نہیں ہیں؟

ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ بعض مسلمانوں نے بے گناہ انسانوں کی جان و مال کی سلامتی کے مسلّم و محترم اصول کے خلاف کارروائیاں کی ہیں' اور کر رہے ہیں۔ بعض کارروائیوں کی کسی حکومت نے سرپرستی بھی کی ہوگی۔ بے شک وہ مسلمان مظلوم ہیں' طاقت سے محروم ہیں کہ اپنے اوپر سے ظلم دفع کر سکیں' بے بس اور کمزور ہیں' بعض سے ان کا ملک اور زمینیں بہ جبر چھین لی گئی ہیں اور وہ نصف صدی سے بے گھر ہیں' بعض کے جوان قتل کیے جا رہے ہیں' عورتیں بے حرمت کی جا رہی ہیں' گھر جلائے جا رہے ہیں' بعض کے اوپر مغربی حکومتوں کے سہارے ایسے حکمران مسلط ہیں جو جبرواستبداد کے بھی مرتکب ہیں' اور قومی دولت اپنی رنگ رلیوں اور مغربی آقاؤں کی خوشنودی کی خاطر لٹانے میں بھی مشغول۔ مغرب کے جرم و سزا کے فلسفے کی رُو سے ایسے لوگوں کے سارے جرائم جائز ٹھہریں گے۔ لیکن اسلام نے جو اٹل اور بے لاگ تعلیمات دی ہیں ان کی روشنی میں ہمیں ان سے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ ان کی کارروائیاں خلافِ اسلام ہیں اور انھیں ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ان کارروائیوں سے اسلام کے مقاصد پورے نہیں ہوں گے۔

اسلام کی رُو سے: انسانی جان اتنی قیمتی ہے کہ ایک بے گناہ کا خون بہانا ایسا ہے کہ گویا سارے

انسانوں کا خون بہا دیا (المائدہ)۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھوں اور زبان سے لوگوں کی جان' مال اور عزت محفوظ رہے (بخاری)۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں۔ حالت جنگ میں کوئی مشرک بھی پناہ مانگے تو اسے پناہ دے کر اپنے ٹھکانے پر پہنچا دینے کا حکم ہے (التوبہ)۔ کوئی امن و صلح کی درخواست کر دے' اس کو مارنا حرام ہے۔ قیدی کو چھوڑ دینے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس کو باندھ کر مارنے کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ حالت جنگ میں بھی' عورتوں' بچوں' بوڑھوں' معذوروں اور بیماروں پر ہاتھ اٹھانے سے اور کھیتوں اور کارخانوں کو جلانے سے منع کیا گیا ہے۔

ہم اس دلیل کے بھی قائل نہیں کہ یوں کہ "یہ گناہ آپ بھی کرتے ہیں" اس لیے ہمارے لیے بھی کرنا جائز ہے۔ مسلمانوں کی جن کارروائیوں کو مغرب اپنی تعریف کے مطابق دہشت گردی قرار دیتا ہے' وہ مغرب کی ویسی ہی کارروائیوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ لیکن ہم فی الوقت اس موازنے میں پڑنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں دیکھتے۔

ہم امریکہ اور مغرب کے حکمرانوں' دانش وروں اور میڈیا سے صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خدا کے لیے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کا زہر گھولنے کا یہ خطرناک کھیل بند کر دیجیے' ورنہ جو آگ آپ بھڑکا رہے ہیں' اس میں آپ خود بھی بھسم ہو سکتے ہیں۔ دنیا میں جس چابک دستی سے آپ نے اسلام کو فنڈامنٹلزم کی (جو ایک عیسائی اصطلاح ہے)' اور فنڈامنٹلزم کو دہشت گردی کی نقاب اڑھائی ہے' گویا اسلام = فنڈامنٹلزم = دہشت گردی کی تکون قائم کی ہے' اس سے آپ نہ اپنا بھلا کر رہے ہیں' نہ دنیا کا۔ جاپان کی ٹرینوں میں زہریلی گیس' ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور اوکلاہوما میں بم کے دھماکے یہ بتانے کے لیے کافی ہونا چاہییں کہ بے بس مظلوم یا اپنے مقصد کے متوالے کیا کچھ نہیں کر سکتے۔ کچھ ضروری نہیں کہ یہ کرنے والے مسلمان ہی ہوں۔

آپ ہی نے دنیا بھر کو یقین دلایا ہے کہ اصل خطرہ اسلام اور مسلمان ہیں۔ رابرٹ اوکلے' اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا پالیسی پیپر (اکتوبر' ۸۵) لکھتے ہیں تو کہتے ہیں: خانگی دہشت گردی بھی ایک سنگین مسئلہ ہے مگر ایف بی آئی اور نفاذ قانون کے ادارے اس کو قابو سے باہر نہیں ہونے دیں گے [اوکلاہوما نے ثابت کر دیا کہ وہ کتنے قادر ہیں]۔ وسیع پیمانے پر دہشت گردی کا اصل خطرہ تو باہر سے ہے' خاص طور پر مسلم (Moslem) سے۔ اے بی سی کے نائٹ لائن پروگرام میں' ۴ ماہ (۱۹۸۵ تا ۱۹۸۸) میں ۵۲ پروگرام دہشت گردی کے بارے میں دکھائے جاتے ہیں' تو ان میں سے ۸ ہم کا ارتکاز مشرق وسطی پر ہوتا ہے۔ لیکن نیوز ویک' اوکلاہوما سے قبل سات دن کے واقعات کا جائزہ پیش کرتا ہے تو ۱۳ میں سے صرف ۲ کا تعلق مسلمانوں سے نکلتا ہے۔

اسی نفرت انگیزی کا نتیجہ ہے کہ مغرب اور اسلام کے درمیان محاذ آرائی گرم سے گرم تر ہوتی جا رہی ہے' اور مسلمانوں کے دلوں میں امریکہ کے خلاف نفرت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔اس نفرت کا دائرہ اب کوئی صرف بنیاد پرستوں تک محدود نہیں' بڑے بڑے سیکولر' لبرل' دانش ور' صحافی اور لیڈر اس میں شریک ہو چکے ہیں۔

کیا یہ سب اچھا ہو رہا ہے؟ کیا امریکہ کو یہی مطلوب ہے؟

مسلمان "جیو اور جینے دو" کے اصول پر مغرب سے اچھے تعلقات استوار کر سکتے ہیں۔اس کا پہلا تقاضا یہ ہو گا کہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق جئیں گے' آپ اس کو قبول کر لیں تو فبہا' ورنہ مسلمان اپنا یہ حق حاصل کرنے کے لیے جان دینے سے بھی دریغ نہ کرے گا۔ہاں' جو مسلمان مغرب میں رہتے ہیں وہ وہاں کے خیر خواہ اور وہاں کے قوانین کے پابند ہوں گے۔اس کا دوسرا تقاضا یہ ہو گا مسلمان عوام' جابر و مستبد اور مغرب کے ایجنٹ' حکمرانوں کے پیران تسمہ پا کی گرفت سے اپنی گردنیں آزاد کریں گے۔ وہ اپنے وسائل اور دولت کو اپنی صواب دید کے مطابق آزادی سے استعمال کرنے کا اختیار حاصل کریں گے۔وہ ترقی اپنے ماڈل کے مطابق کریں گے۔اس کے لازمی معنی یہ نہیں کہ وہ مغرب کے مفادات کو نقصان پہنچائیں گے۔ آج کی دنیا میں تعاون ہی سے معاشی و سائنسی ترقی ممکن ہے۔مگر مغرب کو ناجائز استحصال ضرور ختم کرنا ہو گا۔

اس فریم ورک میں' اگر مغرب مسلمان ممالک کو اپنے سیاسی اور اقتصادی شکنجے میں کسے رکھنے پر مصر نہ ہو' تو اسلامی تحریکات بھی' بنیاد پرست بھی' عام مسلمان بھی' امریکہ اور مغرب کے اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔انھیں امریکہ سے کوئی پیدائشی دشمنی نہیں۔

اگر امریکہ اور مغرب اپنی روش اور اسلام اور مسلمان کے خلاف اپنی دشمنی اور نفرت انگیزی پر اڑے رہے' تو ہمیں خطرہ ہے کہ کف افسوس ملنے کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہو گا۔حال ہی میں کینیڈی۔ جانسن دور میں ویت نام جنگ کے معمار' سابق وزیر دفاع' رابرٹ میکنامارا نے اپنا "اعتراف گناہ" شائع کیا ہے۔اس جنگ میں ۵۸ ہزار امریکن جانوں' ۳۰ لاکھ ویت نامی جانوں اور اربہا ارب ڈالروں کی قیمت ادا کرنے کے بعد' وہ کہتے ہیں: ہائے افسوس ہم نے جو کچھ کیا تھا غلط کیا تھا' بہت غلط' ایک عظیم الشان غلطی... غلطی کی وجہ یہ تھی کہ ہم وہاں کے لوگوں کی تاریخ' کلچر اور سیاست سے بالکل ناواقف تھے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت گذرنے کے بعد' اس سے زیادہ گراں قیمت ادا کرنے کے بعد' کسی میکنامارا کو یہی کچھ نہ کہنا پڑے۔

ہماری تمنا ہے کہ امریکہ اور مغرب اپنی غلط روش کا احساس کریں اور مسلم دنیا سے اپنے تعلقات کو ایک نئے سانچے میں ڈھال کرنے سرے سے ان کا آغاز کریں۔

شہادتِ حق اور جماعتی زندگی

دین پورا کا پورا عملاً قائم ہو جائے' اس کی شہادت ٹھیک ٹھیک ادا ہو' اور اس کی طرف دنیا کو ایسی دعوت دی جائے جو اتمام حجت کے لیے کافی ہو' یہ جماعت اسلامی کے قیام کی واحد غرض ہے ۔اس غرض کو پورا کرنے کے لیے سب سے پہلے ہم مسلمانوں کو ان کا فرض یاد دلاتے ہیں اور انھیں صاف صاف بتاتے ہیں کہ اسلام کیا ہے اس کے تقاضے کیا ہیں' مسلمان ہونے کے معنی کیا ہیں' اور مسلمان ہونے کے ساتھ کیا ذمہ داریاں آدمی پر عائد ہوتی ہیں؟

اس چیز کو جو لوگ سمجھ لیتے ہیں ان کو پھر ہم یہ بتاتے ہیں کہ اسلام کے سب تقاضے انفرادی طور پر پورے نہیں کیے جا سکتے' اس کے لیے اجتماعی سعی ضروری ہے۔دین کا ایک بہت ہی قلیل حصہ انفرادی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔اس کو تم نے قائم کر بھی لیا تو نہ پورا دین ہی قائم ہو گا' اور نہ اس کی شہادت ہی ادا ہو سکے گی۔بلکہ جب اجتماعی زندگی پر نظام کفر مسلط ہو' تو خود انفرادی زندگی کے بھی بیشتر حصوں میں دین قائم نہ کیا جا سکے گا اور اجتماعی نظام کی گرفت روز بروز اس انفرادی اسلام کی حدود کو گھٹاتی چلی جائے گی۔اس لیے پورے دین کو قائم کرنے اور اس کی صحیح شہادت ادا کرنے کے لیے قطعاً ناگزیر ہے کہ تمام ایسے لوگ' جو مسلمان ہونے کی ذمہ داریوں کا شعور اور انھیں ادا کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں' متحد ہو جائیں' اور منظم طریقے سے دین کو عملاً قائم کرنے اور دنیا کو اس کی طرف دعوت دینے کی کوشش کریں' اور ان مزاحمتوں کو راستے سے ہٹائیں جو اقامت دین و دعوت دین کی راہ میں حائل ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ دین میں جماعت کو لازم قرار دیا گیا ہے' اور اقامت دین اور دعوت دین کی جدوجہد کے لیے ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے ایک منظم جماعت ہو' پھر خدا کی راہ میں سعی و جہد کی جائے۔اور یہی وجہ ہے کہ جماعت کے بغیر زندگی کو جاہلیت کی زندگی اور جماعت سے علیحدہ ہو کر رہنے کو اسلام سے علیحدگی کا ہم معنی قرار دیا گیا ہے۔

جو لوگ اس بات کو بھی سمجھ لیتے ہیں' ان سے ہم کہتے ہیں کہ اب تمھارے سامنے تین راستے

ہیں اور تمھیں پوری آزادی ہے کہ ان میں سے جس کو چاہو اختیار کرو۔

اگر تمھارا دل گواہی دے کہ ہماری دعوت، عقیدہ، نصب العین، نظام جماعت اور طریق کار سب کچھ خالص اسلامی ہے، اور ہم وہی کام کرنے اٹھے ہیں جو قرآن و حدیث کی رو سے امت مسلمہ کا اصل کام ہے تو ہمارے ساتھ آجاؤ۔

اگر کسی وجہ سے تمھیں ہم پر اطمینان نہ ہو اور کوئی دوسری جماعت تم کو ایسی نظر آتی ہو جو خالص اسلامی نصب العین کے لیے اسلامی طریق پر کام کر رہی ہو تو اس میں شامل ہو جاؤ۔ ہم خود بھی ایسی جماعت پاتے تو اسی میں شامل ہو جاتے کیونکہ ہمیں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ چننے کا شوق نہیں ہے۔

اور اگر تم کو نہ ہم پر اطمینان ہے نہ کسی دوسری جماعت پر تو پھر تمھیں اپنے فرض اسلامی کو ادا کرنے کے لیے خود اٹھنا چاہیے، اور اسلامی طریق پر ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جس کا مقصد پورے دین کو قائم کرنا اور قول و عمل سے اس کی شہادت دینا ہو۔

ان تینوں صورتوں میں سے جو صورت بھی تم اختیار کرو گے ان شاء اللہ حق پر ہو گے۔

ہم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا اور نہ بسلامتی ہوش و حواس ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ صرف ہماری ہی جماعت حق پر ہے، اور جو ہماری جماعت میں نہیں ہے وہ باطل پر ہے۔ ہم نے کبھی لوگوں کو اپنی جماعت کی طرف دعوت نہیں دی ہے۔ ہماری دعوت تو صرف اس فرض کی طرف ہے جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر اور آپ پر یکساں عائد ہوتا ہے۔ اگر آپ اس کو ادا کر رہے ہیں تو برحق ہیں، خواہ ہمارے ساتھ مل کر کام کریں یا نہ کریں۔ البتہ یہ بات کسی طرح درست نہیں ہے کہ آپ نہ خود اٹھیں، نہ کسی اٹھنے والے کا ساتھ دیں۔ اور طرح طرح کے حیلے اور بہانے کر کے اقامت دین اور شہادت علی الناس کے فریضے سے جی چرائیں۔

اس میں شک نہیں کہ ایک ہی مقصد اور ایک ہی کام کے لیے مختلف جماعتیں بننا بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے، اور اس میں انتشار کا بھی اندیشہ ہے۔ مگر جب نظام اسلامی درہم برہم ہو چکا ہو، اور سوال صرف اس نظام کے چلانے کا نہیں بلکہ اس کے از سرنو قائم کرنے کا ہو، تو ممکن نہیں ہے کہ ابتدا ہی میں وہ الجماعت وجود میں آجائے جو تمام امت کو شامل ہو، جس کا التزام ہر مسلمان پر واجب ہو، اور جس سے علیحدہ رہنا جاہلیت اور علیحدہ ہونا ارتداد کا ہم معنی ہو۔

آغاز کار میں اس کے سوا چارہ نہیں کہ جگہ جگہ مختلف جماعتیں اس مقصد کے لیے بنیں اور اپنے اپنے طور پر کام کریں۔ یہ سب جماعتیں بالآخر ایک ہو جائیں گی، اگر نفسانیت اور افراط و تفریط سے پاک ہوں اور خلوص کے ساتھ اصل اسلامی مقصد کے لیے اسلامی طریق پر کام کریں۔

اپنے ارکان سے ہمارا کوئی مطالبہ اس مطالبہ کے سوا نہیں ہے جو اسلام نے ہر مسلمان سے کیا ہے۔ ہم نہ تو اسلام کے اصل مطالبے پر ذرہ برابر کسی چیز کا اضافہ کرتے ہیں اور نہ اس میں سے کوئی چیز گھٹاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ تمھاری یہ جماعت اسلام میں ایک نئے فرقہ کی بنا ڈال رہی ہے۔ یہ بات جو لوگ کہتے ہیں انھیں شاید معلوم نہیں ہے کہ فرقہ بندی کے اصل اسباب کیا ہوتے ہیں۔ دین میں جن باتوں کی وجہ سے تفرقہ برپا ہوتا ہے ان سب کا اگر آپ استقصا کریں گے تو وہ چار عنوانات پر تقسیم ہوں گی:

ایک یہ کہ اصل دین پر کسی ایسی چیز کا اضافہ کیا جائے جو دین میں نہ ہو' اور اسی کو اختلاف کفرو ایمان یا فرق ہدایت و ضلالت کی بنیاد بنا ڈالا جائے۔ دوسرے یہ کہ دین کے کسی خاص مسئلے کو لے کر اس کو وہ اہمیت دی جائے جو کتاب و سنت کی رو سے اس کو حاصل نہیں ہے اور اسی کو گروہ بندی کی بنا قرار دے لیا جائے۔ تیسرے یہ کہ اجتہادی اور استنباطی مسائل میں غلو کیا جائے اور ان امور میں اپنے مسلک کے سوا دوسرے مسلک والوں کی تفسیق و تضلیل یا تکفیر کی جائے' یا کم از کم ان سے امتیازی معاملہ کیا جائے۔ چوتھے یہ کہ نبی کے بعد کسی خاص شخصیت کے معاملے میں غلو کیا جائے اور اس کے لیے کسی ایسے منصب کا دعویٰ کیا جائے جسے تسلیم کرنے یا نہ کرنے پر آدمی کے مومن یا کافر ہونے کا مدار ہو۔ یا کوئی جماعت یہ دعویٰ کرے کہ جو اس میں داخل ہے صرف وہی حق پر ہے' باقی سب مسلمان باطل پر ہیں۔

[لیکن] ہم صرف اصل اسلام اور بے کم و کاست پورے اسلام کو لے کر اٹھے ہیں۔ اجتماع کی بنیاد ہم نے پورے دین کو قرار دیا ہے' نہ کہ اس کے کسی ایک مسئلے یا چند مسائل کو۔

اجتہادی مسائل میں ہم تمام ان مذاہب و مسالک کو برحق تسلیم کرتے ہیں جن کے لیے قواعد شریعت میں گنجائش ہے' ہر ایک کا یہ حق تسلیم کرتے ہیں کہ ان مذاہب و مسالک میں سے جس کا جس پر اطمینان ہو وہ اپنی حد تک اس پر عمل کرے' اور کسی خاص اجتہادی مسلک کی بنیاد پر گروہ بندی کو ہم جائز نہیں رکھتے۔

اپنی جماعت کے بارے میں بھی ہم نے کوئی غلو نہیں کیا ہے۔ ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ حق صرف ہماری جماعت میں دائر و منحصر ہے۔ ہم کو اپنے فرض کا احساس ہوا اور ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کو آپ کا فرض یاد دلا رہے ہیں۔ اب یہ آپ کی خوشی ہے کہ آپ ہمارے ساتھ کھڑے ہوں' یا خود انھیں اور اپنا فرض ادا کریں' یا جو بھی آپ کو یہ فرض ادا کرتا نظر آئے اس کے ساتھ مل جائیں۔

امارت کے باب میں بھی ہم کسی غلو کے مرتکب نہیں ہوئے ہیں۔ ہماری یہ تحریک کسی شخصیت کے

بل پر نہیں اٹھی ہے جس کے لیے کسی خاص منصب کا دعویٰ کیا گیا ہو' ۔ یہاں دعوت کسی شخص یا اشخاص کی طرف نہیں ہے بلکہ اس مقصد کی طرف ہے جو قرآن کی رو سے ہر مسلمان کا مقصد زندگی ہے اور ان اصولوں کی طرف ہے جن کے مجموعے کا نام اسلام ہے ۔ یہ امیر صرف اسی جماعت کا امیر ہے نہ کہ تمام امت کا۔ اس کی اطاعت صرف انھی لوگوں پر لازم ہے جو اس جماعت میں شامل ہوں اور ہمارے ذہنوں میں ایسا کوئی تصور تک نہیں ہے کہ "جس کی گردن میں اس کی بیعت کا قلادہ نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا"۔

اب خدارا مجھے بتایئے کہ جب ہم اس طریقے پر کام کر رہے ہیں تو آخر ہماری اس تحریک سے امت میں ایک نیا فرقہ کیسے بن جائے گا؟

ہم سے کہا جاتا ہے کہ اگر تمھیں یہی کام کرنا تھا تو ضرور کرتے 'مگر تم نے ایک الگ جماعت مستقل نام کے ساتھ کیوں بنائی' میں ان سے عرض کروں گا کہ جماعت سازی کا یہ قصور ہم نے مجبوراً کیا ہے نہ کہ شوقیہ۔ سب کو معلوم ہے کہ اس جماعت کی تشکیل سے پہلے میں برسوں اکیلا پکارتا رہا ہوں کہ مسلمانو' یہ تم کن راہوں میں اپنی قوتیں اور کوششیں صرف کر رہے ہو' تمھارے کرنے کا اصل کام تو یہ ہے' اس پر اپنی تمام مساعی مرکوز کرو۔ یہ دعوت اگر سب مسلمان قبول کر لیتے' تو کہنا ہی کیا تھا۔ مسلمانوں میں ایک جماعت بننے کے بجائے مسلمانوں کی ایک جماعت بنتی' اور کم از کم ہندستان کی حد تک وہ "الجماعت" ہوتی جس کی موجودگی میں کوئی دوسری جماعت بنانا شرعاً حرام ہوتا۔ یہ بھی نہیں تو مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں سے کوئی ایک ہی اسے مان لیتی تب بھی ہم راضی تھے' اسی میں بخوشی شامل ہو جاتے۔ مگر جب پکار پکار کر ہم تھک گئے اور کسی نے سن کر نہ دیا تب ہم نے مجبوراً یہ فیصلہ کیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ نہیں تو ہمیں اور کیا کرنا چاہیے تھا؟

ہم سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تم نے اپنی جماعت کے لیڈر کے لیے "امیر" کا لفظ کیوں اختیار کیا؟ امیر یا امام تو صرف بااختیار اور صاحب سیف ہی ہو سکتا ہے۔ اس کی تائید میں کچھ حدیثیں بھی پیش کی جاتی ہیں' جن سے استدلال کیا جاتا ہے کہ امامت یا تو امامت علم ہے' یا امامت نماز' یا امامت قتال و جہاد۔ اس کے سوا کوئی تیسری قسم امامت کی نہیں ہے۔

یہ اعتراض جو حضرات کرتے ہیں وہ صرف اس وقت کی فقہ اور اسی وقت کی احادیث سے واقف ہیں جب اسلامی نظام سیاسی اقتدار کی منزل پر پہنچ چکا تھا' اور صاحب سیف امامت قائم ہو گئی تھی۔ مگر ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جب سیف چھن جائے' مسلمانوں کی جماعت اختیار و اقتدار سے محروم ہو جائے' اور اسلامی نظام جماعت بھی درہم برہم ہو جائے' تو اس وقت کے لیے کیا احکام ہیں۔

میں ان سے پوچھتا ہوں کہ ایسی حالت میں کیا مسلمانوں کو یہی کرنا چاہیے کہ فرد فرد الگ ہو جائے' بیٹھ کر بس دعا کرتا رہے کہ خدایا کوئی صاحب سیف امام بھیج دے' یا ایسی امامت قائم کرنے کے لیے کوئی اجتماعی سعی بھی ہونی چاہیے؟ اگر وہ کہتے ہیں کہ اجتماعی سعی ہونی چاہیے' تو براہ کرم وہ ہمیں بتائیں کہ جماعت بنائے بغیر بھی کوئی اجتماعی سعی کی جا سکتی ہے؟ اگر وہ مانتے ہیں کہ جماعت بنائے بغیر چارہ نہیں ہے' تو کیا کوئی جماعت کسی راہ نما' کسی سربراہ کار' کسی صاحب امر کے بغیر بھی چل سکتی ہے؟ ---یا پھر وہ صاف صاف یہی بتا دیں کہ اسلام میں سیف حاصل ہونے کے بعد کے لیے تو ہدایات موجود ہیں' لیکن "بے سیفی" کی حالت میں سیف کس طرح حاصل کی جائے' اس باب میں اس نے کوئی ہدایت نہیں دی ہے۔

عام طور پر لوگوں کو اس مسئلے کے سمجھنے میں جو دقت پیش آتی ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریمؐ کے عہد میں جب امیر یا امام کی اصطلاح استعمال کی گئی تھی اس وقت اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی اور جس زمانہ میں اسلامی حکومت قائم نہ ہوئی تھی اس وقت حضورؐ خود نبی کی حیثیت سے اقامت دین کی جدوجہد کی قیادت فرما رہے تھے' اس لیے امارت یا امامت کی اصطلاحیں استعمال کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ لیکن اسلام کے پورے نظام پر نگاہ ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ دین مسلمانوں کے ہر اجتماعی کام میں نظم چاہتا ہے' اور اس نظم کی صحیح صورت یہ تجویز کرتا ہے کہ کام جماعت بن کر کیا جائے' جماعت میں سمع و طاعت ہو اور ایک شخص اس کا امیر ہو۔ نماز پڑھی جائے تو جماعت کے ساتھ پڑھی جائے اور ایک اس کا امام ہونا چاہیے' حج کیا جائے تو منظم طریق پر کیا جائے اور ایک اس کا امیر حج ہونا چاہیے' حتیٰ کہ تین آدمی اگر سفر کو نکلیں تب بھی ان کو منظم طریقے سے سفر کرنا چاہیے اور اپنے ایک ساتھی کو امیر بنا لینا چاہیے' اذا خرج ثلاثۃ فی سفر فلیومروا علیھم احدھم (ابو داود)۔ (بلکہ مسند احمد میں جو روایت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے نقل ہوئی ہے اس میں تو یہ الفاظ ہیں کہ' لایحل لثلاثۃ یکونوا بفلاۃ من الارض الا امروا علیھم احدھم، حلال نہیں ہے یہ بات کہ تین آدمی کسی جنگل میں ہوں اور وہ اپنے اوپر اپنے میں سے ایک کو امیر نہ بنا لیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف سفر ہی میں نہیں' بلکہ ہر حالت میں مسلمانوں کو منظم زندگی بسر کرنی چاہیے اور ان کا کوئی اجتماعی کام بھی جماعت اور امارت کے بغیر نہیں ہونا چاہیے)۔ اسلامی شریعت کی یہی وہ روح ہے جس کو حضرت عمرؓ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ جماعت کے بغیر اسلام نہیں' اور امارت کے بغیر جماعت نہیں' اور اطاعت کے بغیر امارت نہیں۔

پس ہمارا استنباط یہ ہے کہ اقامت دین اور شہادت علی الناس کی سعی کے لیے جماعت بنائی

جائے ' اور جو جماعت بنائی جائے اس کے سربراہ کار کے لیے امیر یا امام کے لفظ کا استعمال بالکل صحیح ہے۔ (اخذ و ترتیب 'شہادت حق ص ۳۴ تا ۳۹)

زمانہ نبوت کے بعد جب کبھی ایسی کوئی تحریک دنیا میں اٹھی ہے' اس کو دو زبردست اندرونی خطرے پیش آتے ہیں:

ایک یہ کہ ایسی جماعت بننے اور ایسی تحریک لے کر اٹھنے کے بعد بہت جلدی لوگ اس غلط فہمی میں پڑ گئے ہیں کہ ان کی جماعت کی حیثیت وہی ہے جو انبیا علیہم السلام کے زمانہ میں اسلامی جماعت کی تھی۔ بالفاظ دیگر یہ کہ جو اس جماعت میں نہیں ہے 'من شذ شذ فی النار۔ یہ چیز بہت جلدی اس جماعت کو مسلمانوں کا ایک فرقہ بنا کر رکھ دیتی ہے' اور پھر اس کا سارا وقت اصل کام کے بجائے دوسرے مسلمانوں سے الجھنے اور مناظرے کرنے میں کھپ جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ ایسی جماعتیں جس کو اپنا امیر یا امام تسلیم کرتی ہیں' اس کے متعلق ان کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ اس کی وہی حیثیت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کی تھی۔ یعنی جس کی گردن میں اس امام کی بیعت کا قلادہ نہیں وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی ساری تگ و دو بس اپنے امیر یا امام کی امارت و امامت منوانے پر مرکوز ہو جاتی ہے۔

ہم کو ان دونوں خطرات سے بچ کر چلنا ہے۔ خوب سمجھ لیجیے کہ ہماری حیثیت بعینہ اس جماعت کی سی نہیں ہے جو ابتداً نبی کی قیادت میں بنتی ہے' بلکہ ہماری صحیح حیثیت اس جماعت کی ہے جو اصل نظام جماعت کے درہم برہم ہو جانے کے بعد اس کو تازہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ نبی کی قیادت میں جو جماعت بنتی ہے وہ تمام دنیا میں ایک ہی اسلامی جماعت ہوتی ہے' اور اس کے دائرے سے باہر صرف کفر ہی ہوتا ہے۔ مگر بعد میں اس نظام اور کام کو تازہ کرنے کے لیے جو لوگ اٹھیں ضروری نہیں کہ ان سب کی بھی ایک ہی جماعت ہو۔ ایسی جماعتیں بیک وقت بہت سی ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ بس ہم ہی اسلامی جماعت ہیں' اور ہمارا امیر ہی امیرالمومنین ہے۔ اس معاملہ میں تمام ان لوگوں کو جو جماعت میں شامل ہوں غلو سے سخت پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ بہرحال ہم کو مسلمانوں میں ایک "فرقہ" نہیں بننا ہے۔ خدا ہمیں اس سے بچائے کہ ہم اس کے دین کے لیے کچھ کام کرنے کے بجائے مزید خرابیاں پیدا کرنے کے موجب بن جائیں۔ (روداد جماعت اسلامی 'حصہ اول' ص ۱۳ تا ۱۵: تقریر اجتماع اول' منعقدہ ۱۔۵ شعبان ۱۳۶۰ھ / ۲۵۔۲۹ اگست ۱۹۴۱)

کلامِ نبوی ﷺ کی صحبت میں

خرم مراد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے آدم کے بیٹے! تو اپنے (دل اور زندگی) کو پوری طرح میری بندگی کے لیے فارغ (اور مطمئن) کرلے، میں تیرے دل کو (بے فکری کی) دولت سے بھر دوں گا اور فقر و محتاجی کے سوراخوں کو بند کر دوں گا۔
اگر تو ایسا نہ کرے گا، تو میں تیرے ہاتھوں (اور دل) کو دنیا کے مشاغل اور فکروں سے بھر دوں گا اور تیرے فقر و محتاجی کے سوراخوں کو بھی بند نہیں کروں گا (احمد، ابن ماجہ، بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الرقاق)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو بس آخرت کی فکر کرے، (۱) اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے، (۲) اس کے الجھے ہوئے کاموں کو سلجھاتا رہتا ہے، اور (۳) اس کے پاس دنیا بھی آتی ہے، مگر ناک رگڑتی ہوئی۔
اور جو دنیا کی فکروں میں مشغول رہے، (۱) اللہ تعالیٰ اس پر محتاجی (کا احساس) مسلط کر دیتا ہے، (۲) اس کے معاملات کو الجھا دیتا ہے، اور (۳) (ساری فکر کے باوجود) دنیا بھی اس کو اس سے زیادہ نہیں ملتی جتنی اس کے مقدر میں ہوتی ہے (ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، بحوالہ ترجمان الحدیث، حصہ اول، ص ۵۱)

دونوں احادیث کا مضمون ملتا جلتا ہے، مگر ایک حدیث دوسری کی شارح ہے۔
جس کو سب سے زیادہ آخرت کی فکر ہوگی، وہی اپنے کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے فارغ کرسکے گا۔
آخرت کی فکر کے معنی ہیں آخرت کی کمائی کی فکر۔ آخرت کی کمائی کا ذریعہ اس کے سوا کوئی نہیں کہ دنیا کے ہر کام کو پوری دلچسپی سے، پوری سنجیدگی سے، بہتر سے بہتر طریقے سے، مگر اللہ تعالیٰ کی بندگی کی

حدود میں رہ کر' انجام دیا جائے۔ اس لیے بندگی کے لیے فراغت اور آخرت کے معنی یہ نہیں کہ آدمی دنیا اور دنیا کے کام کرنے سے فارغ ہو جائے۔

آدمی آخرت کا طلب گار ہو' تو بھی دنیا جتنی مقدر ہے اس میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ دنیا کا طلب گار ہو' تو طلب و سعی کے باوجود مقدر سے زیادہ کچھ نہ ملے گا۔ آخرت کے طلب گار کو اپنا مقدر ملے گا تو سہولت سے بھی ملے گا اور اسے ذلیل و خوار بھی نہ ہونا پڑے گا۔

خدا اور آخرت کے طلب گار کا دل دنیا اور دنیا والوں سے بے نیازی کی بے بدل نعمت سے مال مال ہو جاتا ہے' وہ خود کسی مخلوق کا محتاج نہیں ہوتا' کوئی ڈوبنے والی چیز اس کی محبوب نہیں ہوتی۔ دنیا کا طلب گار ہر وقت خود کو دنیا والوں' روپیہ پیسہ' دنیوی ساز و سامان' شہرت اور تعریف کا محتاج پاتا ہے۔ گویا فقر و محتاجی ہر وقت اس کی نگاہوں میں سمائے رہتے ہیں۔

جو بندہ اپنے خدا کا بن جاتا ہے' وہ خدا کو اپنے معاملات کے لیے کافی پاتا ہے' اس کے الجھے ہوئے معاملات سلجھتے ہیں۔ جو دنیا کا بندہ ہو وہ ہر وقت پریشانی کا شکار رہتا ہے۔ اس کے معاملات الجھے ہوئے رہتے ہیں۔

صبح اٹھتے ہی سے سوتے وقت تک' اور نیند اچاٹ ہو ہو کر' آپ کے دل میں اور زبان پر کن فکروں اور پریشانیوں کا تذکرہ رہتا ہے: اس ٹیسٹ سے دیکھ لیں کہ آپ کی فکر آخرت کے لیے ہے یا دنیا کے لیے۔

O

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: **مجھے نصیحت فرمایئے' اور مختصر لفظوں میں فرمایئے۔**

حضور ؐ نے فرمایا: (۱) جب تو نماز پڑھے' تو اس شخص کی طرح پڑھ' جو ہر چیز کو چھوڑنے والا ہو' (گویا زندگی کی آخری نماز سمجھ کر)۔ اور' (۲) کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکال جس کے بارے میں کل کو معذرت کرنا پڑے' اور' (۳) جو چیز لوگوں کے ہاتھوں میں ہے' اس سے بے نیاز ہو جا۔ (احمد' بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الرقاق' عبدالغفار حسن' انتخاب حدیث' ص ۶۰)

نماز' بنیاد اور ستون ہے بندگی کی زندگی کی: تعلق باللہ اور فکر آخرت کی بھی' اخلاق و معاملات کی بھی' دعوت و جہاد کی بھی' حکومت اسلامی کی بھی۔ اس لیے مختصر ترین بات میں نماز سب سے پہلے آئی۔

فریضہ نماز ادا ہو جائے' یہ بھی انعام الٰہی ہے۔ لیکن دینی زندگی کی تقویت اور ترقی اسی نماز کے ذریعے

حاصل ہوگی جس میں خشوع ہو۔ اس لیے خشوع کا نسخہ تجویز ہوا: ہر نماز کو زندگی کی آخری نماز سمجھ کر پڑھو' دنیا کی ہر چیز کو الوداع کہہ کر' یہ سمجھ کر بس اب رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور اس سے ملاقات کرنا ہے۔

زبان (یا قلم) سے جو لفظ نکلتا ہے وہی سب سے زیادہ خرابیوں کا سبب بنتا ہے' وہی منہ کے بل جہنم میں گراتا ہے' اگر وہ خود گناہ ہو' یا گناہ کا ذریعہ۔ جس نے کوئی ایسی بات منہ (یا قلم) سے نہ نکالی کہ کل اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندگی ہو یا دنیا میں انسانوں کے سامنے' اس نے آگ میں ڈالے جانے کی رسوائی سے بچنے کا سامان کر لیا' اور دنیا میں رسوائی اور تعلقات میں بگاڑ سے بھی۔

امیدیں اور توقعات صرف اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنا چاہییں ' نہ کہ اپنے جیسے انسانوں سے۔ معاملات ہوں' عزت ہو' مال و متاع ہو' توقعات ہوں' کسی کے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں۔

اس لیے' نبی کریم ؐ کے اتباع میں ہر نماز کے بعد یہ درخواست ضرور کریں۔

لا الہ الا اللہ .... قدیر - اَللّٰھُمَّ لَامَانِعَ لِمَا اَعطَیتَ وَلَا مُعطِیَ لِمَا مَنَعتَ

.... اے میرے اللہ' جو آپ عطا کریں اسے کوئی روک نہیں سکتا' جو آپ روک لیں اسے کوئی دے نہیں سکتا۔

تعلقات میں بگاڑ کا سب سے بڑا سبب انسانوں سے امیدیں قائم کرنا اور پھر ان کا ٹوٹنا ہے۔

○

حضرت ابو الاحوص الجشمی ؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

میں نے پوچھا' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم' اگر میں کسی آدمی کے ہاں جاؤں' اور وہ نہ میری مہمان داری کرے اور نہ میری ضیافت' پھر وہ آدمی میرے پاس آئے' تو آپ ؐ فرمایئے' کہ میں اس کی مہمان داری کروں' یا اس سے بدلہ لوں؟

آپ ؐ نے فرمایا: نہیں' تم اس کی مہمان داری کرو۔ (ترمذی' بحوالہ مشکوٰۃ' باب الضیافۃ)

یہ روش عام ہے: اس نے میرے ساتھ یہ برتاؤ کیا' میں بھی یہی کروں گا۔ اس نے میرے ساتھ بدسلوکی کی' میں بھی کروں گا۔ اس نے مجھے کب پوچھا' میں بھی نہیں بلاؤں گا --- یہ مومن کی شان کریمانہ کے منافی ہے۔

مہمان داری سے آگے پوری زندگی میں' خصوصاً مخالفین کے ساتھ' فضیلت کی روش یہی ہے کہ "برائی کے مقابلے میں بھلائی کرو" (حٰم السجدہ)۔ اگرچہ زیادتی کے برابر بدلہ لینے کا حق ہے' لیکن عفو و درگذر اور اصلاح روابط پر اجر عظیم کا وعدہ ہے (الشوریٰ)۔ اسی بات کو ایک دوسری حدیث

میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

(۶)

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(لوگو!) امعہ (دوسروں کی روش کے مطابق چلنے والے) نہ بن جاؤ' کہ کہا کرو' اگر لوگ ہمارے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے تو ہم بھی اچھا برتاؤ کریں گے' اور اگر انھوں نے بدسلوکی کی تو ہم بھی بدسلوکی کریں گے۔ نہیں بلکہ اپنے آپ کو اس بات کا خوگر بناؤ کہ اگر لوگ اچھا برتاؤ کریں تو تم بھی حسن سلوک سے پیش آؤ' اور اگر وہ ظلم کی راہ چلیں تو تم (ان کی تقلید میں) ظلم نہ کرو۔ (ترمذی' بحوالہ مشکوٰۃ' باب الظلم)

(۷)

حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے:

لوگوں سے وعظ ہر جمعہ کو (ہفتہ میں) ایک مرتبہ بیان کیا کرو۔ اگر (زیادہ پر) اصرار ہے تو دو بار' اور اس سے بھی زیادہ چاہتے ہو تو بس تین بار (اس سے زیادہ نہیں)

اور (دیکھو) لوگوں کو اس قرآن سے بیزار نہ کر دو۔

ایسی صورت حال نہ پیدا ہو کہ تم لوگوں کے پاس جاؤ جب کہ وہ اپنی باتوں میں مشغول ہوں--- اور ان کے سامنے اپنی تقریر شروع کر دو' اور اس طرح تم ان کا سلسلہ گفتگو کاٹ دو اور ان کے دلوں کو نفرت اور ملال سے بھر دو۔ بلکہ تم خاموش رہو۔ پھر اگر وہ تم سے (رغبت اور شوق سے) خود مطالبہ کریں تو ان کے سامنے اپنی بات کرو۔

اور (دیکھو) دعا میں قافیہ بندی سے بچو' اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو دیکھا ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتے تھے (عبدالغفار حسن' ایضاً' ص ۸۳-۸۴)

آج جبکہ وعظ' تقریر' درس کی بھرمار ہے' اور اکثر بولنے والے مسلسل بولنے' اپنے وقت سے زیادہ بولنے' اور سامعین کے ردعمل سے بے نیاز ہو کر بولنے پر مصر ہوتے ہیں' اس اثر (وہ حدیث جس کی نسبت رسول اللہؐ کی طرف نہ ہو) میں حکمتِ دعوت کے پہلو سے واضح ہدایات موجود ہیں۔

شاہ ولی اللہ اور مقامِ احسان

ڈاکٹر سعید اللہ قاضی

حضرت شاہ ولی اللہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ انھوں نے برِصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی فکر میں مثبت تبدیلی لانے کی جو کوششیں کیں، ان میں سے ایک کوشش مروجہ طرق تصوف میں اصلاح کی کوشش ہے۔ وہ تصوف کی تعریف، اس مقام احسان سے کرتے ہیں جس کا ذکر مشہور حدیث جبریلؑ میں ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور حضرت جبریلؑ نے اس کی تصدیق کی کہ احسان یہ ہے: تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو کیونکہ اگرچہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے، وہ تمھیں دیکھ رہا ہے (مسلم)۔ یعنی انسان کی سوچ اس طرح بن جائے کہ خدا تعالیٰ کو ہروقت اور ہرجگہ حاضر و ناظر دیکھے۔

احسان کے پہلو

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مقامِ احسان پر فائز ہونے کے لیے انسان کو چاہیے کہ ہروقت خدا کے حضور اپنی عاجزی، محتاجی اور بے بسی کو جانے اور اس کا اظہار کرے، خدا کی بڑائی ہروقت اس کی نظر میں رہے۔ رذائلِ بشریہ سے ہروقت اجتناب کرنے کی کوشش کرے، دنیا کو مقصدِ زندگی نہ بنالے بلکہ ایک اعلیٰ مقصد یعنی احسان کے حصول کا ذریعہ سمجھے۔

انسان میں یہ فکر اور سوچ پیدا کیسے کی جائے؟ اس کے لیے انھوں نے نبی کریمؐ کی اس حدیث کو بنیاد بنایا ہے کہ ایک ساعت کی سوچ بچار ساٹھ سال کی بلاغور و فکر عبادت سے بہتر ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے ہاں سوچ و بچار اور تفکر و تدبر کی کئی قسمیں ہیں، اور ہر ایک قسم مقامِ احسان کے حصول میں ممد و معاون ہے۔ وہ خدا کی ذات کے بارے میں غور و فکر سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ انسان کی استعداد سے باہر کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ خدا کی نعمتوں اور اس کی صفات علم و قدرت اور حکمت و رحمت میں تفکر و تدبر کیا کرو۔ خدا کی ذات کو تفکر و تدبر کا موضوع نہ

بتاؤ- اس قسم کے تفکر وتدبر کو وہ مراقبہ کہتے ہیں- جو لوگ مراقبہ کرنا چاہیں 'انھیں وہ درج ذیل طریقوں کی تعلیم دیتے ہیں-

۱- آیات اور احادیث پر توجہ مرکوز کرنا اور ان کا مسلسل ورد : بعض آیات اور احادیث حسب ذیل ہیں:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ، وہ تمھارے ساتھ ہے 'جہاں بھی تم ہو- (الحدید ۵۷:۴)

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ، کوئی ذرہ برابر چیز آسمان اور زمین میں ایسی نہیں ہے 'نہ چھوٹی نہ بڑی' جو تیرے رب کی نظر سے پوشیدہ ہو اور ایک صاف دفتر میں درج نہ ہو- (یونس ۱۰:۶۱)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے- (البقرہ ۲:۲۰)

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ، ہم اس (انسان) کی رگ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں (ق ۵۰:۱۶)

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ، اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا- بحروبر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے- درخت سے گرنے والا کوئی پتا ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو- زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو- خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہے- (الانعام ۶:۵۹)

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ، وہ اپنے بندوں پر کامل اختیارات رکھتا ہے- (الانعام ۶:۱۸)

ان آیات کے معانی اور ان کے مفہوم پر اچھی طرح غور کرے اور دل میں بٹھائے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ کا اس ضمن میں ہرگز دخل نہ ہو- فقط اس بات کا استحضار کرے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات عالیہ کے ساتھ موجود ہے-

اس تفکر وتدبر کے لیے آدمی ایسا وقت منتخب کرے جس میں اس کو کسی چیز کا خیال نہ ستا رہا ہو نہ تو اس کو حوائج ضروریہ سے فراغت کی فکر لاحق ہو' نہ وہ بھوکا اور پیاسا ہو' وہ غصے کی حالت میں بھی نہ ہو- اور نہ ہی نیند اس پر غلبہ کر رہی ہو- گویا اس کا دل ہر قسم کی پریشانی اور خیال سے خالی ہو-

ان آیات کے علاوہ اس دعاے ماثور کا ورد اور اس پر غور و خوض بھی مراقبہ کا حصہ ہے: اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ، اے اللہ جو تو دے اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روکے اس کا کوئی دینے والا نہیں 'اور کسی مال دار کو تیرے عذاب سے اس کی مال

داری نہیں بچاسکتی۔ (بخاری)

۲۔ ذکر اللہ: تفکر وتدبر کے ساتھ ذکر اللہ بھی انتہائی ضروری ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: ذکر اللہ کے سوا دوسری باتیں زیادہ نہ کیا کرو کیونکہ اس سے سنگ دلی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بعید ترین چیز قلب قاسی (وہ دل جو رحم سے خالی ہو اور کسی اچھی بات کا اثر قبول نہ کرے) ہے۔ انسان جب اللہ کو یاد کرتا ہے تو اس کے دل سے مختلف قسم کے پردے ہٹ جاتے ہیں اور اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو چشم سر سے دیکھ رہا ہے۔ انسان جب دنیاوی لذات میں مشغول ہوتا ہے تو وہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح اس کے اور اللہ کے درمیان ایک حجاب حائل ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ دوزخ کی آگ ہے۔ اسی غفلت سے ہر برائی جنم لیتی ہے۔ یہی ہلاکت اور بربادی ہے۔ اور جب یہ سلسلہ دیر تک چلتا رہتا ہے تو بندے کے لیے نجات کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہلاکتوں اور بربادیوں سے بچنے کا جو مکمل علاج تجویز کیا ہے وہ ہے مسنون طریقے سے ذکر اللہ۔ وہ اذکار حسب ذیل ہیں:

تسبیح: یعنی سبحان اللہ۔ تحمید: الحمد للہ۔ آپ نے فرمایا:

الحمد للہ شکر کی بنیاد ہے' اور شکر کا اظہار تین طرح ہوتا ہے۔ (۱) زبان سے اللہ تعالیٰ کی مدح اور تعریف۔ (۲) دل سے اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کا اعتراف' اور (۳) اعضا اور جوارح کا اس کے احکام کے مطابق استعمال۔

تیسرا ذکر "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا ہے جس سے شرک جلی اور خفی کی نفی ہوتی ہے۔ اس طرح اس کے ذریعے وہ حجابات دُور ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ یہ کلمہ اس طرح بھی ہے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر"۔

چوتھا کلمہ "اَللّٰهُ اَکْبَرُ" ہے۔ آپ فرماتے ہیں یہ کلمہ زمین اور آسمان کے درمیان کو بھر دیتا ہے۔

دعا بھی تفکر وتدبر اور خدا کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں' عزت اور ذلت' موت و حیات' بادشاہی اور گدائی' ضرر اور نقصان صرف اور صرف خدائے لم یزل کے ہاتھ میں ہے۔ جس کا اظہار "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" سے اچھی طرح ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی الحاجات' شافی الامراض' دافع البلیات اور مجیب الدعوات جیسے کلمات سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا مومن کے ایمان کی علامت ہے۔

اذکار مسنونہ میں سے ایک استغفار بھی ہے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْهِ۔

ایک ذکر اسماء حسنیٰ کا ہے: یا ارحم الراحمین' یا ذوالجلال والاکرام' یا حیّ' یا قیوم' یا ستّار' یا غفار۔

درود بھی ذکر ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَعِتْرَتِہٖ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ۔

۳۔ افعال الٰہی میں تفکر و تدبر / تذکیر بآلاءِ اللہ: تفکر و تدبر کی ایک اور قسم افعال الٰہی ہیں۔ قرآن نے بڑی تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور' دن اور رات کے آنے جانے اور گھٹنے بڑھنے اور ان کی افادیت پر غور و فکر۔ اس عمل سے انسان کے دل میں یہ بات اتر جاتی ہے کہ یہ سب کچھ بلامقصد پیدا نہیں ہوا۔ کائنات کے بارے میں قرآن پاک کی آیات کی تعداد ۵۶۷ ہے جو آسمانوں اور زمین' سورج اور چاند' ستاروں' درختوں' جانوروں' سمندروں وغیرہ کے بارے میں ہیں۔ یہ انسان کے تفکر و تدبر اور غور و فکر کا موضوع ہونا چاہییں۔

۴۔ تفکر و تدبر فی ایام اللّٰہ: ایام اللہ سے مراد وہ واقعات ہیں جن کا ذکر قرآن پاک نے کیا ہے اور جن میں قوموں کے عروج و زوال کے اسباب بیان ہوئے ہیں۔ ان سے آدمی کو یہ سبق ملتا ہے کہ ماضی میں بعض اقوام کن وجوہات کی بنا پر صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں' اگر وہ ہم میں بھی پیدا ہوں تو ہمارا بھی صفحہ ہستی سے مٹنا یقینی ہے اور ماضی میں بعض اقوام کن وجوہات کی بنا پر ترقی سے ہمکنار ہوئی ہیں' وہ اگر ہم میں پیدا ہوں تو ہم بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

۵۔ تفکر و تدبر فی الحیاۃ بعد المماۃ: اس کے بعد شاہ صاحب موت اور موت کے بعد کے حالات کے بارے میں تفکر و تدبر کی ترغیب دیتے ہیں' تاکہ انسان کو یہ بات ہروقت مستحضر رہے کہ اس دنیا کی زندگی عارضی ہے' ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہے۔ اس دنیا کی ہر چیز کے ساتھ انسان کا تعلق ختم ہونا ہے' اس کے ساتھ صرف اس کا عمل باقی رہنا ہے۔ اگر اس کا عمل نیک اور اچھا ہے' تو اس ابدی زندگی میں خوش و خرم اور کامیاب ہو گا' اور اس کی شکل جنت کی صورت میں ہو گی اور اگر ساتھ رہنے والا عمل برا ہو گا تو وہاں اپنے برے اعمال کے نتائج سے دوچار ہو گا' جس کی عملی شکل دوزخ ہو گی۔

۶۔ تلاوت قرآن و فہم قرآن: شاہ صاحب قرآن پاک کی تلاوت اور اس کے فہم کی بہت زیادہ تاکید کرتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ قرآن پاک اس تمام مواد کا منبع ہے جس پر غور و خوض اور تفکر و تدبر ہونا چاہیے۔ انھوں نے تلاوت قرآن اور اس کے فہم کے فضائل کے بارے میں بے شمار روایات نقل کی ہیں۔ انھوں نے آیۃ الکرسی' سورہ حشر کی آخری آیات اور سورہ اخلاص کے ورد پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ تلاوت قرآن پاک سے کبھی بھی غفلت نہیں برتنا چاہیے۔ قرآن پاک ترتیل' خوش الحانی اور فہم کے ساتھ پڑھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ختم قرآن کے لیے کم از کم مدت

تین دن مقرر کی ہے۔

۷۔ صاف اور خالص نیت: انسان جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا دارومدار اس کی نیت پر ہے۔ اگر نیت صاف ہے تو اس کا عمل خدا کے ہاں مقبول ہے۔ انسان کے ہر عمل میں للہیت کا ہونا ضروری ہے۔ صحیح نیت اعمال کے لیے اس طرح ضروری ہے جس طرح بدن کے لیے روح۔ وہ کہتے ہیں کہ ریا اور دکھاوا انسانی عمل کی بربادی کے بہت بڑے اسباب ہیں۔ ریا درحقیقت شرک کی ایک قسم ہے۔
شاہ صاحب اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جو شخص ایک عمل برملا اس ارادے سے کرتا ہے کہ لوگ اس سے سبق اور ترغیب حاصل کریں گے' تو یہ بڑے ثواب کا کام ہے' مگر ایسا کرنے میں للہیت بہت ضروری ہے۔

۸۔ حسن خلق: شاہ صاحب کے تصوف میں حسن خلق کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مگر حسن خلق ہے کیا چیز؟ وہ کہتے ہیں کہ حسن خلق یہ ہے کہ انسان فیاض ہو' کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرے' عفو و درگذر سے کام لے' تواضع اور انکساری اس کا شیوہ ہو' کسی کے خلاف دل میں حسد نہ رکھے' کسی سے نفرت نہ کرے' بے جا غصے سے کام نہ لے۔ حسن خلق میں یہ بھی آتا ہے کہ انسان خدا کی ہر مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرے' رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور محتاجوں کی حاجت روائی کرے' اور مفلس' لاچار اور معذور لوگوں کا خیال رکھے۔

۹۔ حفاظت زبان: خدا کے ساتھ تعلق کے قیام یا انقطاع میں زبان بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے انھوں نے زبان کے مضر اثرات سے بچنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ اس میں' فضول گفتگو' یاوہ گوئی' جھوٹ' بہتان' غیبت' چغلی' گالی گلوچ' فحش کلام اور کسی کو برے ناموں سے پکارنا' یہ سب اعمال انسان کا تعلق نہ صرف خدا سے بلکہ انسان کا تعلق انسان سے بھی کاٹتے ہیں یا کمزور ضرور کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے ان سب سے بچنے کا حکم دیا ہے:

۱۰۔ خواہشات کی غیر شرعی تکمیل سے اجتناب اور زہد کا مفہوم: خدا کے ساتھ انسان کا تعلق توڑنے یا کمزور کرنے میں انسانی خواہشات کی بلاتامل تکمیل بھی بہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے شاہ صاحب نے ان کی تکمیل میں بہت احتیاط سے کام لینے کی تاکید کی ہے۔ اس کو وہ زہد مشروع کہتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ نفس کی جائز خواہشات کا ترک زہد نہیں' رہبانیت ہے۔ زہد یہ ہے کہ انسان شرع کے مطابق اپنے نفس کی جائز خواہشات کی تکمیل ضرور کرے۔ مگر نہ نفس کی غلامی کرے نہ اس میں اس قدر مشغول ہو کہ خدا کے ساتھ اس کا تعلق بالکل ختم یا کمزور ہو جائے۔ زہد غیر مشروع

یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر حلال چیز حرام کرے یا اپنے مال کو ضائع کرے یا دنیا سے بالکل کنارہ کش ہو جائے۔ زہد مطلوب یہ ہے کہ جو کچھ بھی انسان کے پاس ہو اس کے مقابلے میں انسان کا بھروسہ خدا کے فضل و کرم پر ہو، اگر وہ کسی مصیبت کا شکار ہو جائے تو اس پر شور و فغاں نہ کرے بلکہ اس مصیبت کے بدلے جن جن انعامات کی خوش خبری دی گئی ہے ان پر زیادہ سے زیادہ خوش ہو۔

۱۱۔ قناعت: قناعت کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ انسان حرص اور لالچ جیسی منفی صفات کا مقابلہ کرے یا ان کے مقابلے میں جود و سخا سے کام لے۔ اگر انسان کسی کے مال کا لالچ نہ کرے اور وہ اس کو بن مانگے ملے تو اس کو رد کرنا یا نہ لینا قناعت نہیں ہے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا: "اس میں کوئی شک نہیں کہ مال ایک محبوب اور من پسند چیز ہے مگر جو آدمی سیر چشم ہو اور اس کے پاس مال ہو تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دیتے ہیں اور جو لوگ اس کو حرص اور لالچ سے حاصل کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت نہیں ڈالتے۔ اس لیے انسان لالچ اور سوال کسی حالت میں نہ کرے، اور نہ مال کے ساتھ دلی لگاؤ پیدا کرے۔ مال کی محبت جب کسی پر سوار ہو جاتی ہے تو اس کا تعلق خدا کے ساتھ بڑی مشکل سے قائم ہوتا ہے۔ مال کوئی بری چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، قرآن نے اس کو خیر اور فضل کہا ہے۔

۱۲۔ تکبر اور خود پسندی سے اجتناب: تکبر اور خود پسندی لوگوں کو حقیر جاننے کا سبب بنتے ہیں۔ جب نفس یہ عادت قبول کر لیتا ہے تو پھر یہ دوسرے لوگوں پر ظلم کرنے اور ان کو ذلیل سمجھنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتا۔ یہ فساد معاشرہ کا سبب بنتا ہے۔

۱۳۔ صبر: صبر ان اسباب کے تابع نہ ہونے کا نام ہے جن سے آرام یا پریشانی ہوتی ہو، یا اتباع خواہش نفسانی، تکبر اور قطع محبت پیدا ہوتی ہوں۔

۱۴۔ عدالت: عدالت میں گھر والوں کے ساتھ محبت، اہل محلہ کے ساتھ نیک برتاؤ، شہر والوں کے ساتھ حسن معاشرت، بزرگان دین کی توقیر و اکرام اور ہر ایک کے مرتبے کا لحاظ رکھنا وغیرہ شامل ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہے: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ، مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے مضرات سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ مَنْ کَانَ فِی حَاجَۃِ اَخِیْہِ کَانَ اللّٰہُ فِی حَاجَتِہٖ۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر زیادتی کرتا ہے اور نہ اس کو ظالم کے حوالے کرتا ہے جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔

یقین کا مفہوم اور اس کی اہمیت

ان تمام اہم امور کا احاطہ کرنے کے بعد شاہ صاحب یقین کی طرف آتے ہیں اور توحید ' اخلاص ' توکل 'شکر 'انس اور ہیبت وغیرہ کو اس کے شعبے شمار کرتے ہیں۔

یقین اور ایمان دو مترادف الفاظ ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق "یقین سراسر ایمان ہے"' شاہ صاحب کے ہاں یقین یہ ہے کہ آدمی اسلامی تعلیمات پر 'جن میں تقدیر' معاد' اور جزاو سزا پر بلاجھجک ایمان بھی شامل ہیں ' اس طرح ایمان لائے جس کے بعد عقل کو اس میں فلسفے ڈھونڈنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ اس کی فکری قوتیں ان عقیدوں کے تصور سے بھر جائیں۔ کسی اور چیز کے لیے ان میں گھسنے کی گنجایش نہ رہے۔ اس طریقے سے انسانی عقل کی تہذیب ہو جائے گی۔ جس کا نتیجہ انسانی نفس اور قلب کی تہذیب کی صورت میں ظہور پذیر ہو گا۔

انسان زندگی میں جن چیزوں سے عادتاً ڈرتا ہے' قلب اور نفس کی اس تہذیب کے بعد انسان کے دل میں ان کا کوئی خوف پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ اس کو ملنے یا پیش آنے والا ہے اس کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی 'اور جو کچھ اس کے مقدر میں نہیں ہے وہ اسے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی دینے پر قادر نہیں ہے۔

ایسا شخص اسباب کی ظاہری کثرت اور قوت سے بالکل خائف اور پریشان نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس کو یہ کامل یقین ہوتا ہے کہ عالمین میں تصرف صرف اللہ کی قدرت کاملہ کا ہے' اور صرف اسی کا ارادہ ہمیشہ اور ہر حال میں نافذ العمل رہتا ہے۔ اسباب محض عادی ہیں۔ ان کو بروئے کار لانا بے شک سنت اللہ ہے 'مگر ان کی پشت پر ایک مسبب الاسباب (خدا) موجود ہے۔

یقین کے شعبے

۱۔ شکر : شکر یہ ہے کہ انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ سب اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دیا ہے' ان کے حصول اور سبب میں اس کا کوئی بھی ذاتی کمال نہیں ہے۔ اس یقین سے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور وابستگی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ذاتی کمالات کے باوجود وہ خدا کی ہر نعمت کو اپنے آپ پر خدا کا احسان سمجھتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو سراپا محتاج اور عاجز سمجھتا ہے اور خدا کی حمد و ثنا میں ہروقت مصروف رہتا ہے۔ ہر چھوٹی بڑی نعمت سے متعلق اس کی زبان پر ہمیشہ یہ کلمہ جاری رہتا ہے کہ "ھذا من فضل ربی" یا "وما بکم من نعمۃ فمن اللہ"۔

۲۔ توکل: توکل یہ ہے کہ انسان کا اللہ تعالیٰ کے تصرف کامل پر یقین اس قدر پختہ ہو جائے کہ اسباب ظاہری پر اس کا اعتماد بالکل اٹھ جائے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب اور

مسبلت کا جو نظام قائم کیا ہے اس کو توڑنے کی کوشش نہ کرے۔ اسباب کو بروئے کار ضرور لائے اس لیے کہ یہ سنت اللہ میں سے ہیں مگر اسباب پر بھروسہ نہ کرے اور اسباب کی پشت پر ایک مسبب الاسباب کا وجود تسلیم کرے اور اسے اپنے ایمان کا ایک حصہ بنالے۔

۳۔ہیبت: ہیبت سے مراد انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا یقین راسخ ہونا ہے جس کے بعد یہ تصور ہر وقت اور ہر حال میں اس کے دل میں جاگزیں ہو اور وہ اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں ہیچ سمجھنے لگے۔

۴۔ حسن ظن اور انس: ایک اور مفید نتیجہ "حسن ظن" ہے 'جس کو صوفیاے کرام کی زبان میں مقام انس کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن انسان میں یہ استعداد پیدا کرتا ہے کہ اس کی رحمتیں اور مہربانیاں اس پر نازل ہوں۔ اور وہ پھر اس حدیث شریف کا عملی مصداق بن جائے کہ " انا عند ظن عبدی بی " میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے ظن کے مطابق سلوک کرتا ہوں۔

۵۔تفرید: تفرید سے مراد یہ ہے کہ خدا کی یاد انسان کے قولے اور اکیہ پر اس طرح چھا جائے گویا کہ وہ اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے برملا دیکھ رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دل میں برے خیالات کا آنا بند ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد بندے کے بوجھ کو اس کے کندھے سے اتار کر پھینک دیتی ہے۔

۶۔ اخلاص: اخلاص یہ ہے کہ انسان کے ہر عمل میں للہیت پیدا ہو اور اس کا ہر عمل صرف اور صرف خدا کی خوشنودی اور رضا کے لیے ہو۔ ایسے فرد کو قرآن کی اصطلاح میں محسن کہتے ہیں۔ اخلاص سے انسان کے اندر عبادت کا ایک زبردست داعیہ پیدا ہو جاتا ہے 'جس میں ریا اور دکھاوے کی مطلق آمیزش نہیں ہوتی' یہاں تک کہ افعال عادیہ میں بھی پھر اخلاص ہی اخلاص نظر آتا ہے۔

احوال

شاہ صاحب اس کے بعد ان احوال کا ذکر کرتے ہیں جو یقین کے بعد ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض احوال کا تعلق عقل سے 'بعض کا قلب سے اور بعض کا نفس سے ہوتا ہے۔

حلاوت: ان احوال میں سے ایک عبادت اور دعا میں حلاوت کا محسوس ہونا ہے۔ آدمی نماز اس طرح پڑھے کہ اس کے دل میں نماز کے علاوہ کوئی اور خیال در نہ آئے۔ اسی طرح انسان ہر وقت محاسبے کی حالت میں رہے۔ آپ نے فرمایا: عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ محاسبہ کرتا رہے۔ اور نفس کو مطیع کرے اور آخرت میں فلاح پانے کے لیے نیک عمل کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے

کہ انسان روزانہ سونے سے پہلے اپنے نیک اور بد اعمال کا جائزہ لے۔

حیا: ان احوال میں سے ایک حیا ہے۔ اس کا تعلق نفس سے ہے۔ جب انسان کا دل اللہ تعالیٰ کے جلال اور کبریائی سے معمور ہوتا ہے اور وہ اس کو ہر وقت اپنے پاس مکمل یقین کے ساتھ موجود سمجھتا ہے تو وہ پھر ایسا کام نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کے جلال اور کبریائی اور حاضر و ناظر ہونے کے عقیدے سے متصادم ہو مثلاً وہ پھر کسی بھی برائی کے قریب نہیں پھٹکتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

شکر: احوال قلب میں سے ایک شکر ہے۔ ایمان اور یقین انسان کی عقل اور قلب پر اس حد تک غالب آجائیں کہ وہ دنیا کے مصالح و مضار سے بے پروا ہو جائے اور ایسی چیزوں سے محبت کرے جن سے عام حالات میں محبت نہیں کی جاتی اور وہ یہ سب کچھ رضائے الٰہی کے خاطر کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ اس روایت کا مصداق بن جاتا ہے کہ "الحب فی اللہ و البغض فی اللہ"۔

خشیت: قلب کے احوال میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اللہ کی عبادت کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دے اور اس کے دل میں خدا کا خوف اس قدر جاگزیں ہو کہ اس پر رونے اور کپکپی کی حالت طاری ہو جائے۔ آپ ؐ نے فرمایا: جو شخص تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عرش کے سایے میں جگہ دے گا۔ یا جو آدمی خدا کے خوف سے تھوڑی دیر کے لیے روتا ہے۔ وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہتا ہے۔

توبہ: ان احوال میں سے ایک توبہ ہے۔ انسان کمزور ہے' اس سے گناہ سرزد ہوتا ہے' لیکن گناہ کے سرزد ہونے کے بعد خدا کی طرف رجوع کرنا اور اپنے کیے ہوئے گناہ پر پشیمانی کا اظہار کرنا توبہ کہلاتا ہے۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر مہربان ہے۔ لیکن ایک دفعہ توبہ کرنے کے بعد اس گناہ پر اصرار اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے۔ انسان اگر صحیح معنوں میں اپنے گناہوں سے توبہ کرے تو اللہ کے ہاں شرک کے علاوہ ہر گناہ قابل معافی ہے۔

کتابیات

۱۔ قرآن پاک

۲۔ الطاف القدس ۔ شاہ ولی اللہ "

۳۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ۔ شاہ ولی اللہ "

۴۔ انفاس العارفین ۔ شاہ ولی اللہ "

۵۔ حجتہ اللہ البالغہ ۔ شاہ ولی اللہ "

۶۔ الفوز الکبیر ۔ شاہ ولی اللہ "

۷۔ قول جمیل ۔ شاہ ولی اللہ "

۸۔ سطعات ۔ شاہ ولی اللہ "

۹۔ ہمعات ۔ شاہ ولی اللہ "

۱۰۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ۔ مولانا عبید اللہ سندھی

۱۱۔ اخبار الاخیار ۔ مولانا عبد الحق دھلوی

سب سے بڑھ کر اجر پانے والا کون؟

معاذ بن انس جہنی روایت کرتے ہیں:

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

یا رسول اللہ ﷺ، جہاد کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر اجر پانے والا کون ہے؟

فرمایا:

جو ان میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ یاد کرنے والا ہے

اس نے عرض کیا:

روزہ رکھنے والوں میں سب سے زیادہ اجر کون پائے گا؟

فرمایا:

جو ان میں سب سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے والا ہو۔

پھر اس شخص نے اس طرح نماز، زکوۃ، حج اور صدقہ ادا کرنے والوں کے متعلق پوچھا اور حضور ﷺ نے ہر ایک کا یہی جواب دیا:

جو اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرنے والا ہو

(مسند احمد) (اشتہار)

آج کا داعی ، کل کا قائد

قیادت کے اوصاف

محمد بشیر جمعہ

امت مسلمہ کو ایسے راہ نماؤں کی ضرورت ہے جو عصر حاضر کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اللہ کے دین کو نافذ کر سکیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ایسی قیادت کی تربیت کے ادارے موجود نہیں ہیں۔ ایک اور مشکل یہ ہے کہ قیادت کا مفہوم بھی ہم نے محض سیاسی قیادت تک محدود کر رکھا ہے۔ جن لوگوں میں قیادت کی صلاحیت ہے' ان کا رخ بالعموم دارالحکومت ہی کی طرف ہوتا ہے' جبکہ ان کی قائدانہ صلاحیتوں کے جوہر کھلنے کے میدان زندگی کے ہر شعبے میں موجود ہیں۔ بس اس سلسلے میں تصور کے واضح ہونے کی ضرورت ہے۔

قائدانہ کردار ہو تو حکومت کے بغیر بھی لوگوں کے دلوں پر حکومت کی جا سکتی ہے۔

ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید اپنے محل میں تھا۔ کنیز بازار کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کیا دیکھتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کے استقبال کے لیے ساری مخلوق امڈی چلی آرہی ہے۔ خلیفہ نے پوچھا تو کیا دیکھ رہی ہے۔ کنیز نے جواب دیا' امیر المومنین' اصل بادشاہی عبداللہ بن مبارک کی ہے جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں' آپ کی نہیں جو لشکریوں کے زور و جبر سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کی ساری زندگی علم و عبادت اور جہاد میں گزرتی تھی جس کے نتیجے میں دنیا کے اندر بھی اللہ نے انھیں مقبولیت کا بڑا مقام بخشا تھا۔ حقیقت میں یہی مفہوم ہے اس حدیث کا کہ جب اللہ کسی بندے پر خوش ہوتا ہے تو زبان خلق کے ذریعے اس کی نیک نامی کا آوازہ خود بخود پھیلتا چلا جاتا ہے۔

وسیع تصورِ قیادت

ہمارا تصور یہ ہے کہ قیادت محض سیاست اور حکومت کا نام نہیں ہے' اور نہ ہی یہ فوج اور حکومت کی سربراہی کا نام ہے۔ اس کا دائرہ اور تصور ان سے زیادہ وسیع ہے۔ درج بالا میدان ہائے

عمل کو ہم انگریزی کے لفظ MACRO (عالم اکبر) سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ قیادت کی ضرورت اور قدر و قیمت MICRO LEVEL (عالم اصغر) میں زیادہ ہے۔ دین کے نفاذ کے لیے محض سیاسی ذرائع سے حکومتی تبدیلی کے علاوہ' اس وقت ہمارے اپنے ملک میں اور عالمی پیمانے پر ایسے بہت سے میدان ہیں جن میں قائدانہ صلاحیتیں مرکزی کردار ادا کر سکتی ہیں۔ ہم جس دور سے گزر رہے ہیں' اس میں گھر' تجارتی اور صنعتی ادارے' تعلیم اور صحت کے شعبے' خدمات اور مشاورت کے میدان' خود چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ اگر ہم انھی ریاستوں میں قیادت فراہم کر دیں تو یہ سودا مہنگا نہیں۔ اور شاید آج کے دور کی ضرورت بھی یہی ہے۔

قابلِ عمل غیر سیاسی ریاست

گذشتہ کئی سالوں سے ہم نے درج بالا ریاستوں کو ریاستی حکومت سے وابستہ کر دیا ہے۔ اور ہم طفیلی کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ ان ریاستوں میں ہم حکومت کے ذریعے تبدیلی نہ لائیں۔ نہیں' بلکہ ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ جہاں تک بھی ممکن ہو یہ ہمارے اپنے ادارے ہوں' ہم مانگنے والوں کی بجائے دینے والے ہوں۔ ہمارے اندر ملکیت کے ساتھ ساتھ ان اداروں کو چلانے کی قائدانہ صلاحیت بھی موجود ہو تاکہ ہم لوگوں میں نفوذ جلدی حاصل کر سکیں اور دین کا نفاذ آسان ہو۔ ہم صنعتی اداروں میں' تعلیم گاہوں میں' ایک مثالی ماحول قائم کر سکتے ہیں۔ اس ماحول کو کسی تشخص اور سرکاری لیبل کی ضرورت نہیں۔ بلکہ عملاً ایسے اداروں کے ذریعے اقامت دین کا فریضہ ادا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم لوگ ہمیشہ اپنے تشخص کو ہی اجاگر کرنے کی کوشش کرتے رہیں جبکہ اندر کی وادی پیلی ہو رہی ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ افراد کی اس انداز سے تربیت کی جائے کہ وہ آیندہ کے دور میں جہاں کہیں بھی ہوں وہاں اپنی شخصیت' صلاحیت' قائدانہ خوبیوں اور قوت عمل کے ذریعے سے اپنے فریضے کو انجام دے سکیں۔ سیاست عملاً متعلقہ فرد کی صلاحیت اور رویے کا نام ہے' اور جس قدر یہ موثر ہو گا اس قدر اس کے لیے فریضے کو انجام دینا آسان ہو گا۔

ایڈمنسٹریشن، مینجمنٹ اور قیادت

اس وقت ہمارے پیش نظر وہ مشہور حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ تم میں ہر ایک راعی (چرواہا) ہے' اور اس سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا جن کا وہ راعی بنایا گیا ہے۔
چرواہے کے بارے میں ذرا تصور کیجیے۔ وہ صبح سویرے ہاتھ میں لکڑی لے کر نکلتا ہے۔

اپنے ریوڑ کو ایک رخ بتاتا ہے۔ اپنے ذہن میں راستہ بناتا ہے۔ اس راستے پر ان کو چلاتا ہے۔ جہاں راستے سے روگردانی ہو وہاں اپنی زبان کی آواز ورنہ ڈنڈے کی آواز یا ہلکی سی مار کے ذریعے رخ کو صحیح کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سبزے اور پانی کے مقام پر ان کو خوراک کے حصول کے لیے آزادی بھی دیتا ہے' شام کو انھیں اپنی جگہ پر لے آتا ہے' اور ان کی حفاظت کا انتظام بھی کرتا ہے۔ یہ تعلیم 'یعنی "راعی" کا تصور' اسلام میں تقریباً ہر فرد پر کسی نہ کسی انداز سے نافذ ہوتا ہے۔ اس تعلیم' تربیت اور تجربے کو منظم قوت بنانے کے لیے تنظیم کی شکل بھی دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں یہ حدیث پیش نظر رہے: تین آدمیوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی جنگل میں ہوں الا یہ کہ وہ اپنے میں سے کسی کو اپنا امیر بنا لیں۔

ان دونوں احادیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہر مسلمان کے لیے بنیادی طور پر ایڈمنسٹریشن اور مینجمنٹ کا علم اور تجربہ ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ معاشرے کے استحکام کے لیے ہر سطح پر قیادت کا تقرر بھی ضروری ہے۔ یہ تنظیمی اور قائدانہ صلاحیت علم 'عمل اور تجربے کے ساتھ ساتھ انسان میں آتی رہتی ہے۔ ہم یہاں عالم اصغر کی قیادت کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے' قائدانہ صلاحیتوں اور تقاضوں کو پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان صلاحیتوں کے آنے کے بعد اس بات کے امکانات ہیں کہ ہم اپنی متعلقہ چھوٹی سی ریاست' اور بالآخر پورے معاشرے کا رخ موڑ سکیں۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ عوام الناس تو جنگل کے ہرنوں کے گلے کی طرح ہیں۔ جس طرح جنگل میں ہرن ایک دوسرے کے پیچھے چل پڑتے ہیں' اسی طرح لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت پیدا کرتے ہیں۔ آیئے دیکھیں کہ ہم اس جنگل (انسانی آبادی) میں رخ موڑنے اور مشابہت پیدا کرنے کا کام کیسے کریں۔

راہ نمائی اور لیڈر شپ کی تعریف

راہ نمائی اور لیڈر شپ کی تعریف مختلف انداز میں کی جا سکتی ہے۔

۱۔ راہ نمائی اپنی ذاتی صلاحیتوں اور قوتوں پر قابو پانے کا' اور دوسرے لوگوں کو اس طرح متاثر کرنے کی اہلیت کا نام ہے کہ وہ بھی اس طرح سوچنے لگیں جس طرح آپ سوچتے ہیں' وہی محسوس کریں جو آپ محسوس کرتے ہیں' وہ کام کریں جو آپ ان سے لینا چاہتے ہیں۔

۲۔ راہ نمائی بجائے خود ایک الگ شے ہے۔ اس کے لیے صرف قابلیت اور صلاحیت کا ہونا ہی کافی نہیں۔ راہ نمائی کی تکنیک سب سے جداگانہ ہے۔ لیکن اس فن کو بھی دوسرے فنون کی طرح ہر

شخص سیکھ سکتا ہے۔

۳۔لیڈر اور سربراہ دو مختلف چیزیں ہیں۔لیڈر لوگوں کی راہ نمائی کرتا ہے' اس کے لیے سربراہ ہونا ضروری نہیں۔لیکن سربراہ کا لیڈر ہونا ضروری ہے۔

۴۔ قائد وہ ہے جو لوگوں کو آگے چلاتا ہے۔ حقیقی قائد وہ ہے جو اپنے ساتھیوں کی سوچ کی راہ نمائی کرے اور ان کے کردار میں تبدیلیاں لائے۔ایسا قائد اپنی بصیرت سے قیادت کرتا ہے نہ کہ اقتدار کی قوت سے۔جو لوگوں اور معاشرے کو متاثر کرتے ہیں' انھیں عرف عام میں لیڈر کہتے ہیں۔

۵۔ قیادت عموماً غیر معمولی صلاحیتوں کو تسلیم کیے جانے ہی سے ابھرتی ہے۔اس لیے قائدین عموماً ان مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں جن سے انھیں اپنی صلاحیت کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔

۶۔لیڈر دوسرے شرکا کی طرح اپنے گروپ کا ایک حصہ بھی ہوتا ہے' لیکن اسے ایک امتیازی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔لیڈر مقاصد کے حصول کے لیے لوگوں کے اندر شامل بھی ہوتا ہے لیکن وہ اپنی انفرادیت کو ضائع نہیں کرتا۔

۷۔انسانوں کو مشترک مقصد کے لیے ایک جگہ جمع کرنے کی قابلیت کا نام لیڈرشپ ہے۔

۸۔لیڈر وہ ہوتا ہے جو لوگوں کی مشترک مقصد کے حصول کے لیے راہ نمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۹۔لیڈر وہ ہوتا ہے جو اپنے ساتھیوں کو مخصوص مقصد کے حصول کے لیے متحرک کر سکے' اور رکھ سکے۔

۱۰۔لیڈر مختلف النوع لوگوں کو منظم اور ہم آہنگ کر کے اپنے مقصد کے لیے چلا لیتا ہے۔

۱۱۔لیڈر خود سارے کام کرنے کے بجائے لوگوں سے زیادہ بہتر اور نتیجہ خیز کام لے سکتا ہے۔

۱۲۔لیڈرشپ کسی شخص کی اس صلاحیت کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے ماتحت افراد کو اشتیاق اور اعتماد کے ساتھ کام کرنے پر راغب کرتا ہے۔اشتیاق کے معنی' توجہ' دلچسپی اور لگن کے ساتھ کام کرنا جب کہ اعتماد کے معنی تجربے اور تکنیکی قابلیت میں راسخ ہونے کے ہیں۔

۱۳۔لیڈر کو راہ نمائی کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔اختیار کے معنی فیصلہ کرنے کا حق' متنازعہ معاملے میں تصفیہ کرنے کا حق اور فیصلے پر عمل درآمد کرانے کا حق۔

لیڈر کی خصوصیات

۱۔جو شخص دوسرے لوگوں کی راہ نمائی کی صلاحیت رکھتا ہے وہ کبھی اپنے ماتحت کام کرنے والوں اور مددگاروں کی کوتاہیوں اور لاپرواہیوں کی شکایتیں نہیں کرتا۔

۲۔لیڈر اپنے ماتحت افراد کو بھی ذلیل نہیں کرتا۔لیڈر اپنی کامیابیوں اور کارناموں کا سرا اپنے ساتھیوں اور ماتحت افراد کے سرباندھتا ہے۔لیڈر اپنی ٹیم کے ساتھ کام کرتا ہے اور ہمیشہ "ہم" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔لیڈر ہمیشہ خدمت کو اپنا فرض سمجھتا ہے۔لیڈر خوف خدا رکھتا ہے اور مفاد عامہ کے امور انجام دیتا ہے۔لیڈر کے پسینے کو دیکھتے ہوئے ٹیم کے افراد بھی اپنا خون' پسینہ ایک کر کے کام کرتے ہیں۔

۳۔لیڈر اپنے ساتھیوں میں کام کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ان کے کاموں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ان کی غلطیوں سے درگذر کرتا ہے۔اپنے ساتھیوں کی عدم موجودگی میں بھی ان کی تعریف کرتا ہے۔اپنے ساتھیوں کی شخصیت کو اجاگر کرنے اور ان کی گمنام صلاحیتوں کے دروازے کھٹکھٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ان کی خوشی اور غم میں شریک ہو کر ان کے دل جیت لیتا ہے۔

۴۔لیڈر اپنے ساتھیوں میں اعتماد کی تعمیر کرتا ہے۔وہ خود اعتمادی بھی رکھتا ہے اور اپنے ساتھیوں کا اعتماد بھی حاصل کر لیتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ساتھیوں میں بھی خود اعتمادی کا احساس اجاگر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔وہ اپنے علم اور اپنی حفاظت کے شعور کے ساتھ اعتماد کی فضا بحال کرتا ہے۔وہ اپنے ساتھیوں کی ذات کا احترام بھی کرتا ہے۔وہ اپنے ساتھیوں کی مناسب حد تک تربیت بھی کرتا ہے۔ان ساتھیوں کو جو کچھ کام دیا گیا ہے اس کی یاد دہانی کراتا رہتا ہے تاکہ کام پروگرام کے مطابق ہو۔

۵۔لیڈر اپنا ذاتی علم اور تجربہ مسلسل وسیع کرنے میں لگا رہتا ہے۔وہ اپنے خیالات' علم' تجربے اور احساس کے ذریعے اپنے ساتھیوں کو متاثر اور متفق کرتا ہے۔

۶۔وہ اپنے منصب کے تقاضے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔اور ماضی میں اس منصب پر رہنے والے لوگوں نے جو کردار ادا کیا ہے اس کا بھی علم حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

۷۔لیڈر کی سوچ صاف اور تیز ہوتی ہے۔وہ اپنی بات کو آسانی کے ساتھ عام فہم انداز میں بیان کر سکتا ہے۔

۸۔وہ غیر جانبدار' غیر متعصب اور منصفانہ رویہ رکھتا ہے۔وہ صبر سے کام لیتا ہے۔لوگوں سے معاملات کرنا جانتا ہے۔اس کی شخصیت متوازن اور منضبط ہوتی ہے۔اس میں نرم مزاجی پائی جاتی ہے۔

۹۔لیڈر تبدیلی پسند ہوتا ہے۔وہ ایک ہی کام کو روایتی اور پرانے انداز سے کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ کام میں افادیت اور اپنے ساتھیوں کی استعداد میں اضافے کی کوشش میں نئی نئی ترکیبیں سوچتا

ہے اور ان پر عمل بھی کرتا ہے۔

۱۰۔لیڈر مضبوط قوت ارادی کا مالک ہوتا ہے۔اس کے سامنے ایک مقصد اور اس کے حصول کی لگن ہوتی ہے۔وہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق اس مقصد کے حصول کے لیے مختلف انداز سے کوشش کرتا ہے۔

۱۱۔لیڈر اپنے آپ کو بھی پہچانتا ہے اور معاشرے کو بھی پہچانتا ہے۔

۱۲۔لیڈر معاملہ فہم' عالم اور انسان دوست ہوتا ہے۔

۱۳۔وہ اپنی محنت اور لگن سے نامساعد حالات کو بھی خوشگوار مواقع میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔لیڈر ہمیشہ پر امید ماحول پیدا کرتا ہے' چاہے حالات کتنے ہی خطرناک کیوں نہ ہوں۔

۱۴۔وہ جھوٹی بات نہیں کہتا۔اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو حکمت اور توکل نہیں کہتا بلکہ ان کا اعتراف کر لیتا ہے۔(جاری ہے)

اخبارِ امّت

کینیا: مسلمانوں کی سرگرمیاں

حافظ محمد ادریس

گذشتہ کئی عشروں کی منظم جدوجہد کے نتیجے میں کینیا کے مسلمان آج بیدار اور سرگرم عمل ہیں' حکومت سے کشمکش بھی ہے۔ ۱۹۹۲ء میں جب اسلامی پارٹی قائم کی گئی تھی حکومت نے فوراً پابندی لگا دی تھی۔ اس وقت پارلیمنٹ میں ایک دوسرے نام سے تحریک اسلامی کے دس نمایندے موجود ہیں۔ سیاسی اور اقتصادی اصلاحات کے لیے یہ آواز اٹھاتے رہتے ہیں۔ حقوق کی بحالی کے لیے بیسیوں جلوس نکالے گئے اور مظاہرے بھی کیے گئے۔ ائمہ مساجد بھی متحد ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مشترک مسائل پر عیسائیوں کے ساتھ متحدہ جدوجہد بھی کی گئی ہے۔ اس مرحلے پر کینیا کے بارے میں ایک خصوصی مضمون پیش کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

مشرقی افریقہ کے خوبصورت ملک کینیا کی آبادی تقریباً پونے تین کروڑ ہے' جس میں سے تقریباً پچیس فیصد مسلمان ہیں' عیسائی پچاس فیصد' جبکہ باقی مقامی روایتی مذاہب کے پیروکار ہیں۔ تھوڑی سی آبادی ہندو' سکھ اور پارسی مذاہب سے بھی تعلق رکھتی ہے۔

کینیا کا رقبہ ۲ لاکھ ۲۴ ہزار ۹ سو ساٹھ مربع میل ہے۔ اس کی سرحدیں یوگنڈا' تنزانیہ' صومالیہ' ایتھوپیا اور سوڈان سے ملتی ہیں۔ کینیا کے ساحلی علاقے اور شمالی اور مشرقی خطے میں مسلمان اکثریت میں پائے جاتے ہیں۔ ساحلی علاقوں اور بحرہند میں واقع جزائر (لامو' پاتے اور سی او) میں ۹۰ فی صد مسلمان بستے ہیں۔ اسی طرح صومالیہ کے بارڈر پر منڈیرا' وجیر کے علاقے بھی ۹۰ فی صد مسلم آبادی پر مشتمل ہیں۔ کینیا کا صدر مقام نیروبی بہت خوبصورت شہر ہے جو سطح مرتفع اور پہاڑیوں پر واقع ہے۔ یہاں کا موسم بارہ مہینے معتدل رہتا ہے۔ دن رات بھی ہمیشہ برابر رہتے ہیں۔ یہاں کی آبادی ۱۵ لاکھ ہے جس میں مسلمان صرف ۷۔۸ فی صد ہیں۔ وسطی اور غربی کینیا میں بھی مسلمانوں کا تناسب بہت کم ہے مگر کوئی خطہ بھی مسلم آبادی سے خالی نہیں ہے۔

کینیا کے ساحلی علاقوں میں اسلام 'مسلمان تاجروں کے ذریعے پہلی صدی ہجری ہی میں پہنچ گیا تھا۔ ان علاقوں میں مسلمانوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی قائم کر لی تھیں۔ یہاں عرب نسل کے مسلمان بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ کینیا کے شمالی علاقوں میں صومالی نسل کے مسلمان آباد ہیں' جن کا علاقہ زیادہ تر خشک اور صحرائی ہے۔ ان لوگوں کا ذریعہ معاش مویشی پالنا اور سرکاری ملازمتیں ہیں۔ کینیا کے بڑے شہروں میں لوگ تجارت پیشہ ہیں' جبکہ ملک کی بیشتر آبادی زراعت سے منسلک ہے۔ ساحلی علاقوں اور جزیروں میں لوگ ماہی گیری سے معاش حاصل کرتے ہیں۔

کینیا ۱۹۶۳ میں برطانوی استعمار سے خون ریز جنگ کے بعد آزاد ہوا۔ کینیا کے پہلے صدر جوموکین یاٹا بہت زیرک' بہادر اور وسیع المشرب سیاست دان تھے۔ انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں ان کو سزائے موت سنائی گئی تھی مگر انگریزوں کو آخر کار ہتھیار ڈالنا پڑے جس کے نتیجے میں ملک بھی آزاد ہوا اور کین یاٹا کو بھی رہائی مل گئی۔ آزادی کے وقت ملک میں مختلف سیاسی جماعتیں موجود تھیں مگر بڑی پارٹی کین یاٹا کی کینیا افریقن نیشنل یونین (K.A.N.U) تھی۔ آزادی کے کچھ ہی عرصے بعد ملک میں یک جماعتی نظام قائم کر دیا گیا جس کے نتیجے میں صدر کو لامحدود اختیارات حاصل ہو گئے۔ اگست ۱۹۷۸ میں کین یاٹا کی اچانک موت کے بعد نائب صدر دانیال ارپ موئی صدر بنا جو اب تک حکومت کر رہا ہے۔ ۱۹۹۲ میں ملک بھر میں برپا تحریک جمہوریت کے نتیجے میں حکومت کو کثیر الجماعتی نظام قبول کرنا پڑا۔ ۱۹۹۳ کے عام انتخابات میں ۶ پارٹیوں نے حصہ لیا۔ صدر موئی کی کانو پارٹی سب سے بڑی پارلیمانی جماعت کی حیثیت سے ابھری جسے پارلیمنٹ میں معمولی اکثریت حاصل تھی۔ آہستہ آہستہ حزب اختلاف کے ارکان سرکاری پارٹی میں شامل ہونے لگے جس کے نتیجے میں اپوزیشن پارٹیاں کمزور اور حکومت مضبوط تر ہو گئی ہے۔

کینیا کی فوج میں مسلمانوں کی مناسب تعداد موجود ہے۔ فوج کے کمانڈر انچیف جنرل محمود محمد ہیں جو صومالی النسل ہیں۔ ۱۲ سال قبل کینیا ایئر فورس کی طرف سے صدر موئی کے خلاف زبردست بغاوت ہوئی جس کو کچلنے کا سہرا جنرل محمد کے سر ہے۔ ان کی انہی خدمات کی بدولت صدر موئی نے انہیں فوج کا سربراہ بنایا تھا۔ جنرل محمد کی وجہ سے مسلمانوں کو فوج اور دیگر شعبوں میں ملازمتیں حاصل کرنے میں کچھ آسانیاں پیدا ہو گئی تھیں اگرچہ ابھی تک وہ اپنی آبادی کی نسبت ملازمتوں میں بہت کم ہیں۔ سیاست میں بھی مسلمان اپنی آبادی کے تناسب سے کم عمل دخل رکھتے ہیں۔ ۲۰۰ کے ایوان میں مسلمانوں کی تعداد ۲۵ ہے۔ کم و بیش ہر سیاسی پارلیمانی پارٹی میں مسلمانوں کی نمائندگی موجود ہے۔

کینیا میں مسلمانوں کی خالص اسلامی سیاسی پارٹی کوئی نہیں ہے۔ مسلمان نوجوانوں نے کثیر الجماعتی

نظام قائم ہونے کے وقت بڑی کوشش کی کہ اسلامی پارٹی رجسٹر ہو سکے مگر انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے لیے کینیا کے مسلم اکثریتی علاقوں خصوصاً ممباسہ میں خون ریز ہنگامے اور مظاہرے بھی ہوئے۔ تحریک کے نوجوان قائدین کو جیلوں میں ڈال دیا گیا اور بالآخر ان میں سے بعض کو جلاوطنی پر مجبور کر دیا گیا۔ مسلم نوجوانوں کے اندر اب بھی اس مسئلے پر خاصی تلخی پائی جاتی ہے۔

کینیا میں دستوری لحاظ سے تمام مذاہب کو تبلیغ کا آزادانہ حق حاصل ہے۔ مسلمانوں کی بے شمار تنظیمیں مختلف علاقوں میں کام کر رہی ہیں مگر عیسائی مشنری ادارے تعداد، وسائل اور اثرورسوخ کے لحاظ سے مسلمانوں سے کہیں آگے ہیں۔ پوری مغربی دنیا ان کی پشت پر ہے۔ این جی اوز اقوام متحدہ کے وسائل سے بھی بھرپور فائدہ اٹھارہی ہیں۔ یوں مالدار مسلمان ملکوں سے پیٹرو ڈالر جمع ہو کر افریقہ میں اسلام کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں۔ اس کے باوجود یہ اسلام کا زندہ معجزہ ہے کہ روایت پرست اور عیسائی آبادی میں سے ہر سال سیکڑوں افراد حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔ ان مسلمان ہونے والوں میں ایک معقول تعداد مغربی دنیا کے ان مشنری خواتین و حضرات کی ہے جو افریقہ میں عیسائیت کی تبلیغ اور پرچار کے لیے مختلف رضاکارانہ ناموں سے یا براہ راست پادریوں کی حیثیت سے بھیجے جاتے ہیں۔

تحریک اسلامی نے کینیا کی آزادی سے قبل وہاں مرکز قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ چودھری غلام محمد مرحوم، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ؒ کے نمایندے کے طور پر افریقہ تشریف لے گئے اور اسلامک سرکل کے نام سے نیروبی میں تحریکی ذہن رکھنے والے افراد کی مدد سے ایک تنظیم قائم کی جو رجسٹرار آف سوسائٹیز حکومت کینیا کے ہاں رجسٹر کی گئی۔ بعد میں اس ادارے کا نام اسلامک فاؤنڈیشن رکھ دیا گیا جو اللہ کے فضل سے روزافزوں ترقی پذیر ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن کا مرکزی دفتر نیروبی کے قلب میں تعمیر شدہ ۶ منزلہ عمارت "قرآن ہاؤس" میں واقع ہے۔ اس کے زیر انتظام چلنے والے تعلیمی، رفاہی، طبی، زرعی اور تجارتی ادارے ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ فاؤنڈیشن کا سب سے بڑا کارنامہ انگریزی، سواحلی اور دیگر مقامی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی وسیع پیمانے پر تیاری اور اشاعت ہے۔

ینگ مسلم ایسوسی ایشن نوجوانوں کی ایک اور منظم و متحرک تنظیم ہے جو نہ صرف نوجوانوں میں دعوت و تبلیغ کا کام کرتی ہے بلکہ اسلامک فاؤنڈیشن کی طرح اس کے بھی کئی ادارے مختلف خطوں میں کامیابی سے چل رہے ہیں۔ جامع مسجد کمیٹی اور جامع مسجد ریلوے لانڈیز ایسوسی ایشن بھی ملک کی معروف تنظیمیں ہیں۔ ساحلی علاقوں میں بھی بہت سی مسلمان تنظیمیں سرگرم عمل ہیں جن میں نیشنل یونین آف کینیا مسلمز، جمعیت تعلیم القرآن اور ممباسا مسلم ایسوسی ایشن زیادہ معروف ہیں۔ کئی سال قبل کینیا

میں مختلف تنظیموں نے مل کر ایک سپریم کونسل تشکیل دی تھی جو اب تک موجود ہے مگر اسے زیادہ قبول عام حاصل نہ ہو سکا۔ اس کی دیگر مقامی وجوہات کے ساتھ ساتھ ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اس سے قبل ہمسایہ ملک تنزانیہ میں حکومت نے اپنی سرپرستی میں مسلمانوں کی ایک سپریم کونسل قائم کی تھی جو مسلمانوں کی نمایندگی کرنے کی بجائے حکومت کی نمایندہ بن گئی۔ حکومت نے اس کی آڑ میں دیگر تمام مسلم تنظیموں پر پابندی بھی لگا دی۔ ہمسایہ ملک کے اس تلخ تجربے کے بعد کینیا کے مسلمان اور اسلامی تنظیمیں سپریم کونسل کو شک کی نظروں سے دیکھتے رہے ہیں۔

کینیا میں اسلامک فاؤنڈیشن، ینگ مسلم اور بعض دیگر تنظیموں کی کوششوں سے ایک بڑی کامیابی یہ حاصل ہوئی کہ تعلیمی اداروں میں اسلامیات کو بطور منظور شدہ مضمون نصاب میں شامل کیا گیا۔ مولانا مودودی ؒ اور سید قطب ؒ کی بعض کتب اسلامی نصاب تعلیم کا حصہ ہیں۔ وائس آف کینیا کے نشریاتی پروگراموں میں اسلامی پروگرام بھی شامل ہیں۔ اسلامی پروگرام کی ترتیب و تنظیم تو وزارت اطلاعات کنٹرول کرتی ہے مگر مسلم تنظیموں کے نمایندے بھی اسلامک براڈ کاسٹنگ کمیٹی میں شامل ہوتے ہیں۔

کینیا میں حکومت کی طرف سے چیف قاضی اور اس کے تحت ضلعی قاضیوں کا تقرر کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے شخصی قوانین قاضی عدالتوں ہی کے ذریعے سے نافذ ہوتے ہیں۔ کینیا کے قاضی القضاۃ کے منصب پر بعض بڑی قد آور شخصیتیں فائز رہی ہیں، جیسے شیخ الامین مرحوم، شیخ محمد قاسمی مزروعی مرحوم اور شیخ عبداللہ صالح الفارسی مرحوم اس منصب پر فائز رہے۔ علم و فضل اور تصنیف و تالیف میں ان سب کا اعلیٰ مقام ہے۔ انگریزی استعمار کے دور میں بھی مسلمانوں کے شخصی معاملات میں چیف قاضی ہی حتمی فیصلہ دیا کرتا تھا۔

کینیا میں خواندگی کا تناسب ۶۰ فی صد سے زیادہ ہے، جو چند سالوں میں ۹۰ فی صد ہو جائے گا۔ کینیا کے لوگوں میں مطالعے کا بڑا شوق ہے۔ اسلامی تنظیمیں اگر کتب اور کیسٹس کے ذریعے سے موثر انداز میں اپنی دعوت پھیلائیں تو براعظم افریقہ میں حیرت انگیز تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں۔ کینیا میں عوامی رابطے کی زبان سواحلی ہے مگر انگریزی بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

کینیا ان ممالک میں شامل ہے جہاں مغربی تہذیب کی یلغار زوروں پر ہے۔ یہ مغربی سیاحوں کا پسندیدہ علاقہ ہے۔ فحاشی و عریانی اور اخلاق باختگی کے ساتھ چوری، ڈاکہ اور پر تشدد مجرمانہ حرکتیں عام ہیں۔ اس تناظر میں ایک حقیقت بہت دلچسپ اور خوش گوار ہے۔ جس علاقے میں مسلم آبادی کا تناسب جس قدر زیادہ ہے اس میں جرائم کی تعداد اسی نسبت سے کم ہے۔ اعداد و شمار کی یہ کہانی اس

بے لاگ حقیقت کو آشکارا کرتی ہے کہ اسلام دین امن و سلامتی ہے۔ مسلم جزیروں میں بعض ایسے بھی ہیں جہاں آج تک پولیس اسٹیشنوں میں کوئی ایک بھی قابل ذکر جرم اور کیس رجسٹر نہیں ہوا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پہلو کو نمایاں کیا جائے مگر اس میں حکومت کس حد تک رکاوٹ ڈالتی ہے۔ حکومت نے اگرچہ اسلام سمیت تمام مذاہب و ادیان کو مثبت تبلیغ کی اجازت دے رکھی ہے مگر اسلام کے انقلابی پیغام سے ملکی نظام چلانے والے خائف ہیں۔ مذہب کی بنیاد پر سیاسی پارٹی کے قیام کی اجازت نہیں دی جاتی اور نہ مردم شماری میں مذہب کی صراحت کی جاتی ہے۔ مسلمان تنظیمیں جو میدان میں موجود ہیں ابھی غیر سیاسی ہیں۔ وہ سیاست میں براہ راست حصہ نہیں لیتیں مگر ان کے ارکان مختلف سیاسی جماعتوں میں شامل ہو کر انتخاب لڑ سکتے ہیں اور بعض اوقات پارلیمنٹ میں منتخب بھی ہو جاتے ہیں۔ مسلم تنظیموں کو شماریات کی زبان میں یہ امر اجاگر کرتے رہنا چاہیے کہ اسلام امن اور قانون پسندی کا دین ہے۔ مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام بھی ان اعداد و شمار کی روشنی میں بالکل بے بنیاد ثابت کیا جا سکتا ہے۔

ماریطانیا: عزت اور انصاف کا راستہ

مسلم سجاد

دنیا کی دوسری اسلامی جمہوریہ' اسلامی جمہوریہ ماریطانیا' افریقہ کے مغربی ساحل پر' فرانس سے دگنے' تقریباً ۴ لاکھ مربع میل رقبے اور صرف ۲۱ لاکھ ۹۳ ہزار آبادی (۱۰۰ فی صد مسلمان) کا ملک ہے۔ اسلامی بنیاد پرستی کی بو سونگھنے والے مغربی نامہ نگار وہاں سے بھی تشویش انگیز خبریں بھیج رہے ہیں' جو ہمارے لیے (ہمارے اپنے ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے) بہار جاں فزا کی نوید ہیں۔

سید مختار احیائے اسلامی کے نمایندہ معروف راہ نما ہیں۔ انھیں ان کے پچاس ساتھیوں کے ساتھ اکتوبر ۱۹۹۴ میں گرفتار کیا گیا لیکن ۱۷ دن بعد ہی رہا کر دیا گیا۔ سید مختار کہتے ہیں کہ "اسلام ہی ملک کو متحد رکھ سکتا ہے' اور کوئی طاقت ایسی نہیں"۔ سید مختار اور ان کے ساتھی اسلامی اصولوں پر حقیقی عمل کے لیے پر امن جدوجہد کر رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انھیں بنیاد پرست قرار دینا ناانصافی ہے۔ "شہری ہونے سے مغرب کی تمام برائیاں ہمارے اندر سرایت کرتی جا رہی ہیں۔ قبائلی نظام کمزور پڑنے سے' ان کی اثر پذیری میں اضافہ ہو گیا ہے۔ حالات کی خرابی کا ایک واضح مظہر نظام تعلیم ہے' جس میں ۱۹۷۹ تک مذہبی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ قرآنی اسکولوں میں طلبہ کی تعداد کم سے کم تر ہوتی جا رہی تھی۔

ہجوم سرکاری اسکولوں پر تھا جن کے ڈپلوموں سے ہی ملازمت ملتی تھی"۔ سید مختار کہتے ہیں کہ وہ جس خلافت کے داعی ہیں اس کے قیام سے نظام تعلیم کی بھی مکمل اصلاح ہو سکے گی۔ اس وقت خواندگی کی شرح ۳۰ فی صد ہے۔

ماریطانیا کا معاشرہ خانہ بدوش تھا لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ یونیسیف کے اعداد و شمار کے مطابق خانہ بدوش ۶۰ کے عشرے میں ۷۵ فی صد تھے جو ۱۹۸۸ میں ۱۲ فی صد رہ گئے۔ بیشتر تقریباً ۵۸ فی صد، شہروں میں اور ان کے نواح میں آباد ہو گئے ہیں۔ آبادی تین نسلی گروہوں پر مشتمل ہے۔ عرب بربر، سیاہ افریقی اور حراطین (سابق غلاموں کی مخلوط نسل)۔ ماریطانیا میں غلامی کو ۱۹۸۰ میں غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ متواتر خشک سالی کی وجہ سے حالات خراب ہوئے اور مالکوں کے لیے غلاموں کو غذا فراہم کرنے کے بجائے آزاد کرنا زیادہ قابل عمل محسوس ہوا۔ ابھی اس کا خاتمہ نہیں ہوا۔ یہ دارالخلافہ نواک چاٹ (NOUAKCHOTT) کے نواح میں جھونپڑوں میں بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ ان کے لیے اسلام کے پیغام میں بڑی کشش ہے۔ الحر تحریک کے راہ نما مسعود بالخیر کہتے ہیں کہ اب وہ حقوق کے لیے بیدار ہیں۔ فروری میں ایک ایس۔او۔ایس تنظیم غلامی کے استیصال کے لیے قائم کی گئی ہے جو لی مانڈے کے نامہ نگار کے مطابق "ایسے معاشرے میں بہت مشکل ہے جس کی اقدار قرآن پر مبنی ہیں جس نے غلامی کی مذمت کیے بغیر، اس کی موجودگی کو تسلیم کیا ہے"۔ جب کہ ایس۔او۔ایس تنظیم کی خازن، ایک خاتون معلمہ بنت بلال کہتی ہیں کہ ہم نے ایک عالم دین سے قرآن کی تعلیمات کا علم حاصل کیا ہے۔ قرآن میں لکھا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غلام نہیں بنا سکتا۔

معاشرے کے محروم طبقات میں جذبات کی شدت کا اندازہ جنوری کے ہنگاموں سے ہو سکتا ہے۔ بس اس کی دیر ہے کہ بنیاد پرست اس صورت حال کو استعمال کریں۔ ہر شخص جان سکتا ہے کہ جب ماریطانیوں کی اکثریت کو یہ پیغام پہنچ جائے گا کہ اسلامی ریاست مساوات کے اس خواب کی تعبیر آنکھوں کے سامنے لے آئے گی جو وہ آج چھپ چھپ کر دیکھتے ہیں اور معاشرتی انصاف کی اس کم سے کم سطح کی ضمانت دے گی جو موجودہ حکومت نہیں دے سکی ہے' تو کچھ بھی واقع ہو سکتا ہے۔

اسلام کے لیے کئی گروہ کام کر رہے ہیں' سب سید مختار کی طرح معتدل نہیں۔ یونین آف ڈیموکریٹک فورسز UDF کے سید جمیل منصور الجزائری انقلاب پسندوں سے اپنی ہمدردی چھپا کر نہیں رکھتے۔ ان کا کہنا ہے "ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم سالویشن فرنٹ FIS کا ساتھ دیں"۔ وہ اپنے کو ڈیموکریٹک اسلامسٹ کہتے ہیں لیکن علما کے طے شدہ طریقے کے مطابق عورت سے ہاتھ نہیں ملاتے'۔۔۔ دینی مدارس پاکستان کی تبلیغی جماعت اور شمالی افریقہ اور شرق اوسط سے

آنے والے ہر طرح کے مبلغین کے مراکز ہیں۔ ماریطانیا کے لیے بنیاد پرست خطرہ 'الجیریا سے نہیں بلکہ ان مراکز سے ہی اٹھے گا جنھیں خلیج کے سربراہان مالی امداد دیتے ہیں۔ (تنبیہ کا انداز دیکھیے) ایک روزنامہ (Le Calame) کی نامہ نگار ہندہ کا کہنا ہے: بنیاد پرستوں نے آبادی کے غریب اور محروم طبقات پر اپنی توجہات کو مرکوز کر رکھا ہے۔ سیاست میں براہ راست مداخلت کیے بغیر وہ نظریاتی میدان تیار کر رہے ہیں۔ جب تک حالات پر قابو رہے تو سب ٹھیک ہے لیکن بالاخر ایک دن حالات پھٹ پڑیں گے۔ اس وقت بنیاد پرستی کے رجحانات مخالف یو ڈی ایف UDF کے علاوہ سرکاری اکثریتی پارٹی، سوشل اینڈ ڈیموکریٹک ری پبلکن پارٹی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اسلام کا یہ مخصوص رجحان جو ابھی کنٹرول میں ہے، کسی طوفان کا پیش خیمہ ضرور ثابت ہو سکتا ہے۔

(ہفت روزہ گارجین '۱۶ اپریل بحوالہ لی مانڈے '۲۱ مارچ ۹۵)

کیا آپ

خط کا جواب نہیں دیتے؟

خط کا جواب نہ دینا ایسا ہے، جیسے

--- کوئی آپ کا دروازہ کھٹکھٹائے اور آپ نہ کھولیں

--- کوئی آپ کو سلام کرے اور آپ جواب نہ دیں

--- کوئی آپ کی طرف متوجہ ہو اور آپ اسے نظرانداز کر دیں

اس میں مکتوب نگار کی توہین اور آپ کی جانب کبر کا پہلو ہے

○

خط کا جواب دینے سے

--- دفاتر میں مستعدی آجاتی ہے

--- تنظیموں کی رفتار کار بڑھ جاتی ہے

--- اعزہ و احباب سے تعلقات سرگرم رہتے ہیں

○

خط کا جواب دیجیے !

--- موخر کرنے اور ملتوی کرتے رہنے سے بچیے !

--- بڑے لوگ، شائستہ لوگ، قاعدے کے لوگ، ذمہ دار لوگ خط کا جواب دیتے ہیں

○

خط مختصر لکھیے، ٹو دی پائنٹ، مگر جواب دیجیے ضرور!

جواب میں دیر ہونا ہو تو رسید فی الفور دیجیے !

(بندہ خدا)

یورپ کے جنوب میں ابھرتا ہوا خطرہ

مسلم سجاد

یورپ متحد ہو رہا ہے' اور ایک عالمی طاقت بننے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ یورپ کو متحد کرنے میں مرکزی کردار جرمنی اور فرانس مل کر ادا کر رہے ہیں' جو اس صدی کی دو عظیم جنگوں ہی میں نہیں 'تاریخی طور پر بھی جانی دشمن رہے ہیں۔ یورپ کو عالمی کشمکش سے گہری دلچسپی ہے' اور وہ مستقبل کی نقشہ گری پر گہرے اثرات ڈالے گا۔ اس لحاظ سے احیائے اسلامی کی لہر اور مستقبل میں متوقع اسلام اور مغرب کی تہذیبوں کی کشمکش اس کے ایجنڈے پر بھی سرفہرست ہے۔

جرمنی' اپنی آبادی' وسائل' محل وقوع اور تاریخ کے لحاظ سے یورپ کا اہم ترین ملک ہے۔ وہاں کی حکمراں' کرسچین ڈیموکریٹ پارٹی کے سہ ماہی رسالے "جرمن کومنٹ" (German Comment) شمارہ نمبر ۳۸' بابت اپریل ۹۵ میں کئی مضامین پروفیسر ہنٹنگٹن کے "تہذیبوں کی کشمکش" کے نظریے' اسلام کے "خطرہ" اور اس خطرے کے مقابلے میں حکمت عملی کے موضوع پر ہیں۔ اسلام کے بارے میں ان فکری اور اسٹریٹیجک سوچوں سے مسلمانوں کو ہرگز بے خبر نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے ان مضامین پر مبنی ایک مضمون پیش خدمت ہے۔ اس سے پہلے مارچ ۹۵ کے شمارے میں ہم جرمنی کے میڈیا اور سیاست میں اسلام کی بھیانک تصویر سازی کی مہم کا ایک جائزہ بھی پیش کر چکے ہیں۔ (مدیر)

کرسچین ڈیموکریٹ پارٹی کے ممتاز معمر راہ نما' الفرڈ ڈریگر (Alfred Dregger) نیوکلیر اسلحے میں اضافے کی روک تھام کے مقدمے کی پرزور وکالت کرتے نظر آتے ہیں' لیکن وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ حالیہ معاہدہ اس روک تھام میں ناکام رہا ہے' اور جب تک امریکہ اور روس جیسی نیوکلیر طاقتیں خود اپنے اسلحے سے دست بردار ہونے' اور تمام اسلحہ اور بم ساز تنصیبات اقوام متحدہ کے کنٹرول میں دینے کے لیے تیار نہیں ہوں گی' کوئی اقدامات کارگر نہ ہوں گے۔

اس کے برعکس معروف جرنلسٹ اور ٹی وی فلم ساز پیٹر اسکول لاتور (Scholl-Latour) کے نزدیک اب ایک یورپ کی متحدہ فوج (Euro corps) ناگزیر ہے' اور وہ اشارتاً اس پر بھی زور دیتے

ہیں کہ جرمنی کو فوجی مداخلت اور نیوکلیر اسلحے کے حصول سے ہچکچانا نہیں چاہیے۔ وہ اس مقصد کے لیے جرمنی اور فرانس کو تاریخی بداعتمادیوں کو ختم کر کے موثر اقدامات کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ کیوں: اس لیے کہ مغرب (الجیریا، تیونس اور مراکو) میں اسلامی انقلاب کے نتیجے میں، جو تقریباً یقینی ہے یورپ کو اپنے جنوب میں ایک بالکل نئے توازن طاقت سے سابقہ درپیش ہو گا۔ اب شمالی افریقہ میں اسلامی بنیاد پرستی کے پھیلنے کی وجہ سے بحیرہ روم کے چاروں طرف ممالک پر مشتمل کسی عظیم متحد کمیونٹی کا سراب درہم برہم ہو گیا ہے۔ فرانس کو اب سمجھ لینا چاہیے کہ فرانکو۔ جرمن اتحاد کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ جرمنی کو بھی اب روس اور مغربی یورپ کے درمیان جھولتے رہنے کی روش کو ترک کر دینا چاہیے۔ یورپ کو ایک مربوط، متحدہ فارن پالیسی کی شدید ضرورت ہے۔ دو علاقے اس کی اسٹرے تیجک منصوبہ بندی کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن ثابت ہوں گے۔ ان میں سے ایک سابقہ روسی سلطنت ہے، جو ایک سپریوگوسلاویہ بنے گی اور جہاں ۲۰۰۰ء تک ایشیائی مسلمانوں کی تعداد روسیوں سے زیادہ ہو جائے گی۔ یورپین یونین کو بڑی گہرائی میں اتر کر "تاریخ ساز" دارالاسلام کے واقعات سے نبٹنا ہو گا۔ اسرائیل و فلسطین کے درمیان امن کا ضرورت سے زیادہ ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ الجیریا میں بنیاد پرستی کا غلبہ --- جسے اب روکا نہیں جا سکتا۔ کوہ اطلس سے لے کر ہندوکش پہاڑ تک کے علاقے میں ایک غلغلہ مچا دے گا۔ مصر میں آج آزادانہ انتخابات ہو جائیں تو اسلامسٹ فتح عظیم سے ہمکنار ہوں گے۔ ترکی آہستہ مگر یقیناً کمالزم سے اسلام کی طرف جا رہا ہے، اور اگلے انتخابات میں عین ممکن ہے کہ رفاہ پارٹی سب سے بڑی سیاسی قوت بن کر سامنے آ جائے۔

صورت حال کی تصویر کشی کے بعد لاتور کہتے ہیں: امریکہ خلیج کے تیل پر اپنا غلبہ اور اسرائیل کی سرپرستی جاری رکھنا چاہتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اور روس دونوں "بنیاد پرستی" کو "بدی کی مملکت" (empire of evil) قرار دے کر، اس کے مقابلے کے لیے ایک دوسرے سے اشتراک کرنے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یورپ کو "اسلام کے خلاف دونوں سابقہ سپرپاورز کے اتحاد" میں شریک ہونے سے صاف صاف انکار کر دینا چاہیے۔ اس کے برعکس یورپ کی پالیسی دو اجزا پر مشتمل ہونا چاہیے۔ ایک، اسلام کو زیادہ سے زیادہ محدود، محصور اور عاجز کرو۔ دوسرے، اس کے ساتھ مکالمہ کرو۔ پھر وہ کہتے ہیں: یہ بہرحال ظاہر ہے کہ مسلمان دنیا میں انقلاب کے عمل کو روکنے کی کوشش یورپ کے بس سے باہر ہے۔ اس ضمن میں لاتور بھی، مسلمان ممالک کے ہاتھوں میں نیوکلیر اسلحہ آنے کے خطرے کے حوالے سے، جرمنی کو "دانش مندی" کا مشورہ دیتے ہیں۔

لیکن سب سے طویل اور چشم کشا مقالہ ہرمن بوہل کا ہے، "یورپ کے جنوب سے چیلنج" کے

عنوان سے وہ کہتے ہیں: جرمنی کے چانسلر ہلمٹ کوہل نے گذشتہ سال توجہ دلائی تھی کہ بحیرہ روم کے جنوبی ساحل پر کاسابلانکا سے شام تک جو چیلنج ابھر رہا ہے' یورپ کو اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ مراکش سے وسط ایشیا تک مسلم ممالک ایک "دکمان نما خنجر" بناتے ہیں۔ یہاں بنیاد پرستوں کے ہاتھ میں اقتدار آنے سے تباہی کے ہتھیار ان کے قابو میں آجائیں گے۔

حیرت ہے کہ جرمنی میں نئے ورلڈ آرڈر پر گفتگو میں صرف مشرق (روس) سے خطرے کا ذکر ہوتا ہے حالاں کہ جنوبی ساحل کے ممالک میں بنیاد پرست تحریک تقویت پکڑتی جا رہی ہے۔ یہ مغرب کے چرچ اور ریاست کے علیحدگی کے نظریے کو مسترد کرتی ہے۔ ان ممالک میں غربت ہے' محرومی ہے' نوجوان بے روزگار ہیں' آبادی میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے' سیاسی عدم استحکام سے بحران در بحران کا سلسلہ رہتا ہے۔ [اہل مغرب کی نگاہوں میں تو زندگی کا ہر پہلو صرف "معاشی عوامل" کا نتیجہ ہوتا ہے۔ احیاے اسلامی بھی۔ م س] الجیریا کی مثال سامنے ہے۔ اگر شمالی افریقہ میں آگ لگ گئی تو یہ یورپ کے ہر حصے میں پہنچے گی۔ فرانس' اسپین' اٹلی سب نقصان اٹھائیں گے۔ جرمنی' بلجیم یا ڈنمارک پر لوگ رک نہ جائیں گے۔ اس کے مضمرات بہت دور تک جائیں گے۔ اہل یورپ کے لیے یہ ایک ڈراؤنا خواب ہے۔ اگر ہم سرحدوں پر پابندیاں لگائیں تو متحدہ یورپ کا خواب بکھر جائے گا۔ اگر میجنو (Maginot) دیوار تعمیر کر کے مسلمانوں کی آمد کو روک دیا جائے تو یہ بھی کوئی دانش مندی کی بات نہ ہوگی۔ اقتصادی نقطہ نظر سے ہمیں ان ممالک کی مارکیٹ کی ضرورت ہے۔

احیاے اسلام کے مسئلے پر پورے یورپ کو مل جل کر سوچنا چاہیے' اور مشترکہ حکمت عملی وضع کرنی چاہیے۔ جرمنی اور فرانس کو خصوصی فکر کرنا چاہیے۔ فرانس میں بھی لاکھوں مسلمان ہیں۔ اگر جہاز اغوا کر کے پیرس میں لایا جاتا ہے' تو جرمنی کو اسے اپنا مسئلہ سمجھنا چاہیے۔ اگر فرانس کو شکایت ہو کہ الجیریا کے اسلامی فرنٹ والوں کو جرمنی میں پناہ مل رہی ہے تو اسے ایک جائز شکایت سمجھنا چاہیے۔ یہ مسئلہ کسی ایک ملک کا انفرادی مسئلہ نہیں ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل اسٹرے ٹیجک اسٹڈیز کے ۱۹۹۴ کے سالانہ اجلاس میں یورپ کی سلامتی میں اسلامی عنصر (Islamic factor) پر' عنوان تبدیل کر کے "یورپ کی سلامتی اور جنوب کے ہمسایے" کے عنوان سے (تاکہ یہ تاثر نہ ابھرے کہ ماہرین یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان تشدد اور تباہی کے ذریعے دنیا میں' خصوصاً یورپ میں' اسلام پھیلانا چاہتے ہیں!) غور کیا گیا۔ غور و فکر کا نتیجہ یہ تھا کہ ترجیح گفت و شنید کو دی جائے' اقتصادی امداد فراہم کی جائے تاکہ شمالی افریقہ کے اور شرق اوسط کے ممالک میں خوشحالی عام ہو۔ سیاسی بے اطمینانی سے انقلابی اسلام کے علم بردار فائدہ اٹھاتے ہیں'

معتدل مسلمانوں کی مدد ہمارا فرض ہے۔

یورپ اور جنوب کے یہ ممالک پرانے ہمسائے ہیں اور بہت سے مشترک امور رکھتے ہیں۔ اگر ہمارے ہاں جمہوریت ہے تو ان کے ہاں رواداری ہے۔ لا اکراہ فی الدین: خود قرآن نے فساد کی مذمت کی ہے (۲:۱۸۶)۔ دہشت گردی اور اسلام ایک چیز نہیں ہیں۔ دونوں طرف وہ لوگ موجود ہیں جو تباہی نہیں چاہتے 'تصادم کے بجائے مکالمہ کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ خود جاکر' اور انھیں بلاکر ' انقلابی اسلام والوں سے بھی گفت و شنید کرنا چاہیے۔

اصل مسئلہ غربت کا ہے۔ ۲۰۲۵ تک ان ممالک کی آبادی ۴ کروڑ ہو جائے گی۔ ۷۰ فی صد نوجوان بے روزگار ہیں۔ حکومتیں ناکام ہو چکی ہیں' جب کہ اسلامی تحریکیں غذا' رہایش ' تعلیم اور تربیت کے انتظامات کرتی ہیں۔ اسلام کی طرف دراصل نیچے کے طبقات میں رجوع ہو رہا ہے [حالانکہ زیادہ تر بنیاد پرست اعلیٰ تعلیم یافتہ 'خوش حال ہیں۔ م س] یورپی ممالک مارشل پلان کے طرز پر ان ممالک میں ترقی اور خوش حالی پہنچائیں۔ جرمنی اور فرانس آگے بڑھ کر راستہ دکھائیں۔ امریکہ سے بھی مدد طلب کریں۔ ہمیں ایک ایک پیسہ کفایت شعاری سے خرچ کرنا چاہیے تاکہ جنوب کے لیے بچا سکیں۔ یورپ کے مالدار لوگوں کو مسئلہ کی سنگینی کو محسوس کرنا چاہیے۔ جرمنی کے سابق چانسلر اڈینار کا کہنا تھا کہ داخلی پالیسیاں ہماری روز مرہ زندگی متعین کرتی ہیں لیکن خارجہ اور سلامتی کی پالیسی ہماری بقا (survival) سے متعلق ہوتی ہے۔ ہمیں بجٹ بناتے ہوئے اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

اسلام کے ساتھ مکالمے کے لیے بہت سے میدان ہیں۔ ہمیں مکالمے کا آغاز سیاسی نظام پر لیکچر سے نہ کرنا چاہیے' ایک دوسرے کو سمجھنے کے نقطہ نظر سے بات چیت کرنا چاہیے۔ روم اور تیونس میں باری باری گذشتہ ۱۵ سال سے ویٹیکن اور اسلام کے نمائندے جمع ہو کر ڈائیلاگ کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ اور جگہ بھی ہونا چاہیے۔ دونوں تہذیبوں کے تاریخی اور سائنسی مشترک سرمایے کے بارے میں پروفیسرور نر کی کتاب حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ ایک خدا کی عبادت عیسائیوں کی طرح مسلمانوں کا بھی بنیادی عقیدہ ہے۔ قرآن نے خود کہا ہے کہ "تم اپنے دین پر اور میں اپنے دین پر"۔ (کافرون ۱۰۹: ۶)

کچھ مسائل اختلافی بھی ہیں۔ خواتین کے بارے میں مراد ہافمین نے' جو جرمنی کے مسلمان سفارت کار ہیں' لکھا ہے: "۱۴سو سال سے مسلمان عورت کو وہ قانونی حیثیت حاصل ہے جو مغرب کی عورت نے جدوجہد کر کے حال ہی میں حاصل کی ہے۔ مثال کے طور پر مسلمان عورتوں کے جائداد کے حق میں شادی سے کوئی فرق نہیں پڑتا' مسلمان شوہر بیوی کے اثاثوں پر کوئی حق حاصل نہیں کرتا۔ جرمنی میں حال ہی میں اثاثوں کی علیحدگی کا جو قانون بنایا گیا ہے وہ مسلمانوں کے ہاں ساتویں صدی

عیسوی سے رائج ہے۔ مغرب کی حقوق نسواں کی علم بردار صدی کے آغاز پر یہ باب مسلمانوں سے لے سکتی تھیں"۔

بہرحال مکالمہ آسان نہیں ہے جیسا کہ فرانس میں سکارف کے مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک نکتہ سیاست اور مذہب کا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ شعوری طور پر مذہب کو سیاست میں لائے' جبکہ مغرب میں' خصوصاً فرانس میں' ان کی علیحدگی مسلمہ اصول ہے۔ مکالمہ دونوں نقطہ ہائے نظر کو ایک کرنے کے بجائے' ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو برداشت کرنے پر ہونا چاہیے۔

اسکینڈی نیویا کو بھی ملایا جائے تو اس وقت یورپ میں ایک کروڑ مسلمان ہیں۔ کچھ لوگوں کے نزدیک یہی ہمارا تحفظ بھی ہے کہ اسلامی قائدین ان شہروں پر نیوکلیر یا کیمیائی' حیاتیاتی بم اس لیے نہیں پھینکیں گے کہ ان کے ہم مذہب بھائی بہن بھی ہلاک نہ ہو جائیں۔ لیکن ہم اس پر انحصار نہیں کر سکتے۔ امریکہ' جرمنی' فرانس خلائی بمباروں کی مدد سے ۹۹-۱۹۹۸ تک میزائل سے دفاع کا ایسا نظام بنا رہے ہیں کہ حملے کی صورت میں بچاؤ ہو سکے۔ لیکن یہ صرف سانس لینے کا وقفہ ہے۔ اصل حل تو یہی ہے کہ مکالمہ ہو اور تصادم کے بغیر زندگی گزاری جائے۔

ہمیں یورپ میں موجود مسلمانوں کے ساتھ اپنے رویے کو بہتر کرنا چاہیے۔ اقتصادی امداد پہلے اپنے گھر میں دی جائے۔ ایک کروڑ مسلمانوں کو ان کے کونے کھدروں (ghettos) سے نکالا جائے' معاشرے کا حصہ بنایا جائے' اور مناسب حالات فراہم کیے جائیں ورنہ وہ ففتھ کالم بن جائیں گے۔ دوسری طرف ان کے ممالک میں بھی ایسے حالات ہوں کہ انھیں وہیں کام ملے اور وہ یورپ نہ آئیں۔ معیشت مستحکم اور معاشرہ خوش حال ہو۔ اس طرح اسلامی بنیاد پرستی کا دلدل دونوں جانب سے خشک کر دیا جائے۔ دوستی اور بقائے باہمی بھی ہو جائے گی' مغرب کے مفادات بھی محفوظ رہیں گے۔ ہاں معاشی استحصال اور ثقافتی یلغار کو ختم کرنا ہو گا۔

بوہل کا تجزیہ ہمدردانہ ہے' معقول ہے' لیکن بدقسمتی سے اہل مغرب احیائے اسلام کے بنیادی محرکات کو سمجھنے سے قاصر ہیں یا انکاری ہیں۔ مسلمان تو اپنے معاشروں میں اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اگر مغرب "جیو' اور جینے دو" کی پالیسی اختیار کرے' تو تصادم برائے نام رہ جائے گا۔

عالم اسلام کے حوالہ سے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے دو اہم جرائد

عالم اسلام اور عیسائیت

جسے مسلم دانش ور اہل فکر و نظر کے لیے تیار کرتے ہیں
مذاہب کے مابین مکالمے
عیسائی۔مسلم تعلقات اور
پاکستان اور مسلم دنیا میں عیسائی سرگرمیوں کا جائزہ
محققین کی علمی کاوش کا نچوڑ

ایڈیٹر: سفیر اختر

فی کاپی: ۱۰روپے سالانہ: ۱۰۰روپے
بیرون ملک: ۱ڈالر ۱۰ڈالر

وسطی ایشیا کے مسلمان

سابق سوویت یونین کی مسلم ریاستوں کی ثقافت
تہذیب اور معیشت کا محققانہ جائزہ اور
ان ریاستوں کی موجودہ اور مستقبل کی
سیاسی صورت کے بارے میں تجزیوں کے علاوہ
مسلمانوں کی سرگرمیاں اور ان کے وسطی ایشیا پر
مرتب ہونے والے اثرات پر مبنی رپورٹوں پر مشتمل

اردو زبان میں اپنی نوعیت کا واحد دو ماہی جریدہ

ایڈیٹر: سفیر اختر

فی کاپی: ۱۰روپے سالانہ: ۵۰روپے
بیرون ملک: ۱ڈالر ۵ڈالر

تقسیم کنندہ: **بک پروموٹرز** بلاک ۱۹، مرکز ایف سیون اسلام آباد۔ فون ۸۲۳۰۹۴

بحث و نظر

اسرائیل سے صُلح کے جواز پر ایک مکالمہ

گزشتہ دنوں کویت جانے کا اتفاق ہوا' تو ایک دن وہاں کے معروف سیکولر اخبار الوطن کے صفحہ اول پر جلی سرخی میں اس خبر پر نظر پڑی کہ "شیخ بن باز نے اسرائیل کے ساتھ صلح کا فتویٰ دے دیا"۔ میں اور اکثر کویتی احباب یہ خبر پڑھ کر سکتے میں آگئے کہ کیا واقعی شیخ بن باز ایسا کوئی فتویٰ دے سکتے ہیں۔ بعض سلفی بھائیوں نے شدت جذبات میں اس خبر کو اخبار کی شرارت قرار دیا۔ کویت سے قطر پہنچے تو پتا چلا کہ شیخ یوسف قرضاوی نے شیخ بن باز کے اس مذکورہ فتوے کا جواب دیا ہے۔ شیخ قرضاوی کے جواب کے چند ہی روز بعد شیخ بن باز کی طرف سے کویتی رسالے المجتمع میں اسرائیل کے ساتھ صلح کے جواز پر اصرار کیا گیا۔ شیخ قرضاوی نے اگلے ہی ہفتے شیخ بن باز کو پھر جواب الجواب لکھا۔ اس سارے علمی مکالمے کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

شیخ عبدالعزیز بن باز' مفتی اعظم سعودی عرب' نے اسرائیل کے ساتھ صلح اور قیام امن کے جواز کے لیے بنیادی طور پر دو دلیلیں دیں: پہلی یہ قرآنی آیت کہ ' وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ' اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو (الانفال ۸:۶۱)۔ دوسری دلیل کہ کسی بھی دشمن کے ساتھ عبوری یا مستقل جنگ بندی جائز ہے۔ خود آنحضور ؐ نے مشرکین مکہ سے صلح حدیبیہ کی اور دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا۔ آپ ؐ نے کئی عرب قبائل کے ساتھ بھی مستقل صلح نامے کیے۔ اس لیے حاکم وقت کے لیے جائز ہے کہ وہ اگر قرین مصلحت سمجھے تو دشمن کے ساتھ صلح کر لے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اس فتوے کے جواب میں کہا: نصوص قرآن و سنت پر کوئی اختلاف نہیں' لیکن موجودہ حالات پر ان کا اطلاق درست نہیں۔ سورہ انفال میں صلح اس وقت جائز قرار دی گئی ہے جب دشمن بھی صلح کا میلان رکھتا ہو۔ مگر فلسطین پر قابض یہودیوں نے کبھی بھی صلح کا حقیقی

میلان ظاہر نہیں کیا۔ وہ مسلسل ہمارے بھائیوں کا خون بہا رہے ہیں' انھیں گھروں سے نکال کر وہاں اپنی بستیاں تعمیر کر رہے ہیں اور ہم یہ کہیں کہ وہ صلح کی طرف مائل ہیں! اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی آپ کے گھر پہ قبضہ کر لے اور آپ کو وہاں سے نکال دے۔ جب آپ اپنا گھر واپس لینے کے لیے اس کے ساتھ جہاد شروع کر دیں' تو وہ سالہا سال کی جدوجہد کے بعد آپ سے کہے کہ آؤ مجھ سے صلح کر لو' میں تمھارے لیے ایک کمرہ خالی کر دیتا ہوں۔ یہ لے لو' اور آیندہ نہ مجھ سے کوئی مطالبہ کرو اور نہ لڑائی' بلکہ اپنے گھر پر میرا مستقل حق تسلیم کر لو۔ اس صورت میں سورہ انفال کی مذکورہ آیت کا نہیں' سورہ محمد کی آیت نمبر ۳۵ کا اطلاق ہو گا کہ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ، پس تم بودے نہ بنو اور صلح کی درخواست نہ کرو' تم ہی غالب رہنے والے ہو' اللہ تمھارے ساتھ ہے اور تمھارے اعمال کو وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔

رہی عارضی صلح کی دلیل تو سوال یہ ہے کہ کیا اس معاہدے کے تحت طرفین کو جنگ بند کر دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرنا؟ جو معاہدہ ہو رہا ہے اس میں ایک برائے نام علاقے کے علاوہ باقی سارا فلسطین' حتیٰ کہ القدس بھی' یہودیوں کی ملکیت قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ سب محض جنگ بندی کے ضمن میں کیسے آسکتا ہے؟

... حقیقت یہ ہے کہ غاصب اس وقت تک صلح کا حقیقی خواہاں نہیں سمجھا جاسکتا جب تک وہ غصب شدہ املاک واپس نہ کر دے۔ ان املاک پر غاصب کا قانونی حق تسلیم کر لینا محض جنگ بندی نہیں ہے۔

شیخ قرضاوی کے جواب میں ہفت روزہ المجتمع 'کویت' میں شیخ بن باز کا یہ موقف شائع ہوا:

"میں شیخ قرضاوی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے جس بات کو حق جانا اس کی مزید وضاحت کا موقع دیا۔ ان کے نکات کے جواب میں عرض ہے کہ قریش نے بھی مہاجرین مکہ کے گھروں اور مال و متاع پر قبضہ کر لیا تھا' لیکن ان کے تمام ظلم و ستم کے باوجود آنحضورؐ نے ان کے ساتھ صلح حدیبیہ کر لی' کیونکہ آپؐ اس میں تمام مسلمانوں کی مصلحت سمجھتے تھے۔ شیخ قرضاوی نے مثال دی ہے کہ اگر کوئی گھر پہ قبضہ کر لے' اور پھر اس کا کچھ حصہ دے کر صلح کرے' تو یہ جائز نہیں ہے۔ میں ان کی اس رائے کو بے حد عجیب و غریب بلکہ بالکل غلط سمجھتا ہوں' کیونکہ اگر ایک مظلوم ظالم کے ساتھ صلح کر کے ایک آدھ کمرہ ہی حاصل کر لیتا ہے تو یہ اس کے باہر پڑے رہنے سے بہرحال بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے' فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ، اللہ سے اپنی استطاعت بھر تقویٰ اختیار کرو۔ اور فرمایا ہے' وَالصُّلْحُ خَيْرٌ، صلح بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا ..... الخ اس صورت میں لاگو ہوتا ہے جب مظلوم

ظالم سے زیادہ طاقتور ہو اور بزور قوت اپنے حقوق حاصل کر سکتا ہو۔ ایسی صورت میں کمزوری دکھانا اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر مظلوم ظالم سے کمزور ہو تو صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جب مشرکین نے صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا اور آپ ؐ نے قوت جمع کر لی' تب آپ نے ان پر حملہ کیا۔

ان دلائل کی روشنی میں شیخ قرضاوی اور دوسرے علمائے کرام سے درخواست ہے کہ وہ اپنے موقف پہ نظرثانی کریں۔ میری یہ بات خاص طور پر ذہن میں رہے کہ مشرک یہودیوں سے عملی جہاد اس وقت فرض ہو گا جب ہم انھیں زیر کرنے کی قوت و قدرت حاصل کر لیں۔ لیکن جب تک قوت و قدرت نہ ہو تب تک صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شیخ یوسف القرضاوی نے جواب دیتے ہوئے لکھا: میں نے عرض کیا تھا کہ مجھے اصل اختلاف آیات و احادیث میں وارد احکام ثابتہ سے نہیں' ان احکام کے موجودہ حالات پر انطباق سے ہے۔ اور ان حالات و واقعات سے عدم واقفیت کی بنا پر شیخ بن باز سے اس سلسلے میں چوک ہو رہی ہے۔

میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اگر کسی کو اس کے غصب شدہ گھر کا ایک کمرہ مل رہا ہو تو وہ اسے حاصل نہ کرے۔ لیکن ہر روز فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر کے وہاں نئی یہودی بستیوں کی تعمیر کیے چلے جانے والا' ایٹمی اسلحے کے انبار لگانے والا' اور عدم پھیلاؤ کے معاہدے پر دستخط کرنے سے بھی انکاری' صلح کی طرف مائل کیسے قرار پائے گا؟ اب جو صلح کی بات ہو رہی ہے' وہ صرف ایک دھوکہ ہے تاکہ صلح کے پردے میں مزاحمت اسلامی کی تحریک جہاد کو ختم کیا جا سکے' اور امن معاہدے کے نام پر فلسطینیوں کو فلسطینیوں سے لڑایا جائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشرکین مکہ کے ساتھ صلح حدیبیہ اور موجودہ صورت حال میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مکہ قریش کا گھر اور ان کا شہر تھا' اور مسلمان خود مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے۔ جبکہ اسرائیل فلسطین میں ایک بیرونی عنصر ہے' جس نے وہاں قبضہ کر کے امت مسلمہ کے عین قلب میں اپنی سلطنت قائم کر لی ہے۔ پھر حدیبیہ کا معاہدہ ایک مخصوص مدت کے لیے مجرد جنگ بندی کا معاہدہ تھا۔ اس طرح کے معاہدے مسلمانوں کی مصلحت کی صورت میں اہل حل و عقد قبول کر سکتے ہیں' لیکن یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ ہو رہا ہے وہ جنگ بندی نہیں فلسطین پر ان کا حق تسلیم کرنا ہے۔ اس کے بعد ہم ان کے ساتھ جہاد تو کجا ان سے اس علاقے کی واپسی کا زبانی یا کاغذی مطالبہ بھی نہیں کر سکتے۔ اس ضمن میں یہ بھی پیش نظر رہے کہ صلح حدیبیہ کوئی اجتہادی فیصلہ نہیں تھا بلکہ وحی الٰہی کا فیصلہ تھا۔ اس لیے آنحضور ؐ نے اس صلح پر بحث کرنے والوں کو جواب دیا تھا: میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اس کے کسی بھی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا اور وہ مجھے کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا۔

جناب شیخ کا یہ قول کہ یہ معاہدہ آیت "وَالصُّلْحُ خَيْرٌ" کا تقاضا ہے، اس لیے درست نہیں کہ اس سے مراد ہر قسم کی صلح نہیں، بلکہ وہی صلح ہے جو امت کے حقوق ضائع کرنے کی موجب نہ بنے اور نہ ہی سرزمین اسلام پر غاصبوں کا حق تسلیم کرے۔ حدیث نبوی ؐ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے: مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے لیکن وہ صلح نہیں جو حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال (ترمذی)۔

شیخ محترم کا یہ کہنا کہ آیت 'فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا ..... الخ' کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب مظلوم ظالم سے زیادہ طاقتور ہو، آیت کے سیاق کے مطابق نہیں ہے۔ یہ آیت قوی ہونے کی صورت میں نہیں کمزور ہونے کی صورت میں بالکمزور پڑ کر صلح سے روکتی ہے۔ اسی لیے "دعوت سلم" کو "وھن" پر عطف کیا گیا ہے۔ یہ واؤ اگر معیت کے معنی میں ہو تب بھی یہی مفہوم نکلتا ہے۔ طبری سمیت تمام بڑے مفسرین بھی یہی کہتے ہیں۔

جناب شیخ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جہاد اس وقت فرض ہو گا جب جہاد کی قوت و مقدرت ہو۔ مقدرت کی شرط اس صورت میں ہوتی ہے جب خود حملہ کر کے دشمن کے شر سے محفوظ ہونا ہو، اور اس سے جزیہ یا اسلام میں سے ایک چیز قبول کروانا ہو گا۔ اسے جہاد طلب کہتے ہیں۔ لیکن دفاعی جہاد میں جب دشمن آپ پر حملہ کر دے، تو پھر جس قدر بھی وسائل مہیا ہو سکیں انھی کے ساتھ جہاد فرض ہے۔ جہاد طلب عموماً فرض کفایہ ہوتا ہے، جبکہ جہاد دفاع فرض عین ہوتا ہے۔ پہلے اس پر جس پر حملہ ہو جائے، اور اگر وہ اکیلا دفاع نہ کر سکتا ہو تو پوری امت پر۔

شیخ محترم کے نزدیک اولی الامر اگر کسی معاہدے کو مفید سمجھتے ہوں تو ہمیں ان کی اطاعت کرنا چاہیے۔ لیکن ابن تیمیہ اور دوسرے علمائے کبار کے نزدیک اولوالامر اہل حکومت بھی ہیں اور اہل علم بھی۔ اس لیے دونوں کی رائے کو پیش نظر رکھنا ہو گا۔ شیخ الاسلام کی مجموع الفتاوٰی (۲۸/ ۱۷۰) اولی الامر کی شرح پر تفصیل سے روشنی ڈالتی ہے۔ اگر ہم صرف حکمرانوں ہی کو اولی الامر مان لیں، تب بھی مراد وہی حکمران ہوں گے جن کی بیعت کتاب و سنت کی روشنی میں ہوئی ہو اور جو بااختیار اور آزاد ہوں۔ ایسا حکمران جو دشمنوں کے تابع ہو اور جس کے اختیارات کی حدود دشمن طے کرے، وہ ان اولی الامر کے زمرے میں کیسے آسکتا ہے جن کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہو۔ پھر یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ حقیقی اولی الامر کی اطاعت بھی صرف 'معروف' میں ہی ہو سکتی ہے 'منکر' میں نہیں۔ مسلمانوں کی سرزمین سے غاصب یہودیوں کے حق میں دستبردار ہو جانا امت کی مصلحت سے عاری اور صرف یہودیوں کی مصلحت و مفاد میں ہے۔ (عبد الغفار عزیز)

چند مشورے

روزنامہ جنگ کراچی (۲۳ جنوری) میں جناب ارشاد احمد حقانی نے "قاضی حسین احمد — کرنے کا کام" کے عنوان سے انھیں چند مشورے دیے ہیں ' جن میں سے بعض کا تعلق مسلمان عورت کی حیثیت سے ہے۔ جس میں اس کا پردہ اساسی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کا کہنا ہے عورت کے معاشرتی مقام اور کردار کے بارے میں جماعت اسلامی کا موقف جزوی عدم توازن اور غیر حقیقت پسندی کا آئینہ دار ہے۔ یہ موقف اسلام کی تعلیمات سے زیادہ ایک خاص معاشرتی پس منظر اور سوچ کا پیدا کردہ تھا۔ میں عورت کے کردار کے بارے میں ملائشیا اور ایران کے ماڈلز کو درست اور پسندیدہ سمجھتا ہوں۔ جماعت اسلامی کو باضابطہ طور پر عورت کو چہرہ اور ہاتھ کھولنے اور معاشرتی زندگی میں بعض حدود کے اندر کام کرنے کی اجازت دینے کا اعلان کر دینا چاہیے۔ اس دور میں عورت کو گھر کی چار دیواری تک محدود کر دینا اور چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی اجازت نہ دینا اور اسے چھوئی موئی بننے پر مجبور کرنا کسی طرح تعلیمات اسلامی کا تقاضا نہیں۔

ہماری نگاہ میں یہ خیالات و ارشادات اپنے مضمرات کے اعتبار سے حد درجہ خطرناک ہیں۔ ان کی زد ہمارے پورے معاشرتی نظام ' ادارہ خاندان ' اخلاقی اقدار اور اعتقادات پر پڑتی ہے۔ ایمان کو چھوڑ کر عقل کو راہ نما بنایا جائے تو یہ عیار ہے ' سو بھیس رکھتی ہے۔ کیا یہ شریعت کا حلیہ نہیں بگاڑ دے گی۔ آج حقانی صاحب عورت کے ان ماڈلز کو پسندیدہ باور کرا رہے ہیں جو انھیں ملائشیا یا ایران میں نظر آئے اور بھا گئے۔ کل کوئی اور مشیر اٹھ کر پیرس ' لندن اور نیویارک و واشنگٹن کے ماڈلز کی وکالت و نمایندگی کر سکتا ہے۔ زینب الغزالی کو امت مسلمہ کی تاریخ میں پہلی مفسرہ قرآن ہونے کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ ممتاز خاتون اسکالر ' بنت الشاطی کو شاہ فیصل ایوارڈ مل چکا ہے۔ جب چہرے کو کھولنے کے لیے ماڈلز ہی کی جستجو ہے تو پھر ان خواتین کو کیوں نہ اسوہ بنایا جائے۔ مگر نظر انتخاب وہیں پڑتی ہے جہاں اپنے ذوق و عقل کو تسکین ملے۔ چنانچہ چہرہ اور ہاتھ کھولنے کے ضمن میں زینب الغزالی اور بنت الشاطی کی مثال انھیں اچھی نہیں لگی ' ملائشیا اور ایران کے ماڈلز پسند آئے۔ پاکستان میں عورت سے متعلق جماعت اسلامی کا موقف ' فرض کیا کہ اسلام کی تعلیمات سے زیادہ ایک خاص معاشرتی پس منظر اور سوچ کا ہی پیدا کردہ ہے ' تو بھی گوارا ہے ' لیکن اس مسئلے کو تجدد پسند عقل کے سپرد کر دیا گیا تو جس طرح کا اخلاقی و عملی بگاڑ رونما ہوگا وہ ہرگز ایسی چیز نہیں کہ اسے گوارا کرنے پر جماعت اسلامی خود کو آمادہ کر سکے۔ معاشرتی پس منظر اور سوچ بننے میں انسانوں کے طویل تجربات و مشاہدات کارفرما ہوتے ہیں لیکن عقل و دانش کے زاویے روز بدلتے رہتے ہیں۔

دیکھنا یہ ہے کہ چہرے کا پردہ واقعی کسی معاشرتی پس منظر اور سوچ کی اختراع ہے یا شریعت نے اسے مستقل ضابطے اور حکم کے طور پر لازم ٹھہرایا ہے۔

پردے کا یہ حکم سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر۵۹ میں وارد ہوا ہے۔ مولانا مودودی ؒ نے اپنی معروف کتاب "پردہ" میں لکھا ہے: یہ آیت خاص چہرے کو چھپانے کے لیے ہے۔ جلابیب جمع ہے جلباب کی جس کے معنی چادر کے ہیں۔ ادناء کے معنی ارخاء یعنی لٹکانے کے ہیں۔ لفظی ترجمہ یہ ہو گا: اپنے اوپر اپنی چادروں میں سے ایک حصہ لٹکا لیا کریں۔ یہی مفہوم گھونگھٹ ڈالنے کا ہے۔ مگر اصل مقصد کوئی خاص وضع نہیں ہے بلکہ چہرے کو چھپانا مقصود ہے' خواہ گھونگھٹ سے چھپایا جائے یا نقاب سے یا کسی اور طریقے سے۔

اس کے بعد مولانا نے ابن جریر طبری 'ابوبکر الجصاص 'نیشا پوری 'رازی اور بیضاوی کی آرا نقل کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ چہرے کے پردے کی روایت کسی خاص علاقے کی نسبت سے اور کسی مخصوص معاشرے کی معاشرتی اقدار کے تابع نہیں ہے۔ سید مودودی ؒ لکھتے ہیں: "صحابہ کرام ؓ کے مبارک دور سے لے کر آٹھویں صدی تک ہر زمانے میں اس آیت کا ایک ہی مفہوم سمجھا گیا' اور وہ مفہوم وہی ہے جو اس کے الفاظ سے ہم نے سمجھا ہے۔ اس کے بعد احادیث کی طرف رجوع کیجیے تو وہاں بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد سے عہد نبوی ؐ میں عام طور پر مسلمان عورتیں اپنے چہروں پر نقاب ڈالنے لگی تھیں اور کھلے چہروں کے ساتھ پھرنے کا رواج بند ہو گیا تھا"۔

ایک ممتاز عرب اسکالر ڈاکٹر علی مشاعل اپنی کتاب "النظام الاجتماعی و السیاسی فی الاسلام" میں لکھتے ہیں کہ ائمہ اربعہ میں سے امام مالک ؒ' امام احمد ؒ اور امام شافعی ؒ تو عورت کا چہرہ پردے میں رکھنا فرض اور اس کا کھولنا حرام سمجھتے تھے' البتہ فقہائے احناف میں سے بعض نے یہ رائے دی ہے کہ عورت گھر سے باہر جاتے ہوئے اپنا چہرہ کھلا رکھ سکتی ہے۔ لیکن جو فقہا نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنے کے جواز کے قائل ہیں' ان کا بھی موقف یہ ہے کہ جب فتنوں کا دور ہو اور ماحول میں اخلاقی بگاڑ عام ہو جائے تو عورت کا چہرہ ڈھانپنا ضروری ہو جاتا ہے۔

جناب ارشاد احمد حقانی انصاف کے ساتھ بتائیں کہ جس دور اور ماحول میں ہم سانس لے رہے ہیں' یہ اخلاقی اور ذہنی انارکی کا دور ہے یا نہیں۔ ان حالات میں جب کہ آوارہ جذبات اور شہوتوں کی آگ بھڑک رہی ہے' جو عفت مآب اور حیادار خواتین اس آگ سے بھاگ کر شریعت اسلامی کے احکام کے سائے میں پناہ لیے ہوئے ہیں انھیں گھسیٹ کر آپ اس آگ میں جھونکنے پر یہ اصرار آخر کیوں کر رہے ہیں؟ پردہ دار اور باحیا عورت اسلام کی تہذیبی اقدار کی امانت کی آخری پاس دار اور

محافظ ہے۔ اسلامی تعلیمات کے رنگ میں رنگا ہوا مسلمان گھرانہ اسلام کا وہ قلعہ ہے جہاں ہر طرف سے پسپا ہوتی ہوئی اسلامی تہذیب بالآخر پناہ اور سلامتی پائے گی۔ اسے تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمان عورت کی پردہ داری نے پہلے بھی کئی مرتبہ بچایا ہے۔ سو ڈیڑھ سو سال پہلے' جب برصغیر میں غالب قوم کو اپنی تہذیب کے غلبے میں مشکل پیش آئی تو اس کے شہ دماغ بڑے غور و خوض کے بعد مسلمان عورت کے بارے میں اسی نتیجے پر پہنچے کہ مسلمان عورت کو کسی عنوان سے چراغ خانہ کی حیثیت سے نکال کر شمع محفل بننے پر آمادہ کر لیا جائے۔

یہ امت ہے بڑی سخت جان۔ ان صدموں سے گزر کر' اس کی غیرت و حیا پھر عود کر آتی ہے۔ مصر' ترکی' ایران وغیرہ میں غیرت اور نسوانیت کے جنازے سرکاری اہتمام میں نکالے گئے تھے۔ الحاد پسندوں اور اباحیت پرستوں نے اپنے زعم میں نسوانی حیا اور عظمت کا آبگینہ توڑ کر اس کے ریزے یورپی آقاؤں کے اطمینان کے لیے پیش کر دیے تھے۔ لیکن ان ممالک کے اندر اکیسویں صدی کے دروازے سے داخل ہوتی ہوئی جدت کے سارے مظاہر اور اس کے مضرات کا مشاہدہ کرتی ہوئی دختران ملت' ایک مہم کی طرح سر ڈھانپنے پر مصر ہو گئی ہیں۔ انھیں درسگاہوں سے اس پاداش میں خارج کیا جا رہا ہے' سزائیں دی جا رہی ہیں' ہراساں کیا جا رہا ہے' لیکن یہ رجحان دبنے کے بجائے پھیلے ہی جا رہا ہے۔ فرانس تہذیب نو کے اماموں میں سے ہے۔ آج فرانس کی درس گاہوں کے اندر ایمانی غیرت اور نسوانی عظمت و عفت کا چمن کھل اٹھا ہے۔ مسلمان بچیوں کو سر پر سکارف اوڑھنے کے جرم میں درس گاہوں سے نکالا جا رہا ہے لیکن وہ اپنے تعلیمی مستقبل کی تاریکی سے نہیں ڈر رہی ہیں۔ ان بچیوں کو ابھی سکارف سر پر رکھنے کی حد تک ہی اسلامی احکام کا علم ہو سکا ہے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ چہرے پر نقاب ڈالنے کے شرعی حکم سے انھیں آگاہی ہوئی تو وہ اس مرحلے سے بھی گزر جائیں گی۔

حقانی صاحب "حجاب اور نیم حجابی کی ایک عجیب معجون مرکب" تیار کرنے کے قائل نظر آتے ہیں۔ مولانا مودودی ؒ نے ایسے لوگوں کی نفسیاتی اور ذہنی کیفیت کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک طرف تو یہ "اپنی عورتوں کو حیا اور عصمت کے زیوروں سے آراستہ اور اپنے گھروں کو اخلاقی نجاستوں سے پاک رکھنے کے خواہش مند ہیں اور ان نتائج کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جو مغربی تمدن اور معاشرت کے اصولوں کی پیروی سے رونما ہوئے ہیں اور ہونے چاہییں۔ مگر دوسری طرف اسلامی نظم معاشرت کے اصول و قوانین کو توڑ کر' کچھ رکتے' کچھ جھجکتے اسی راستے کی طرف اپنی بیویوں' بہنوں اور بیٹیوں کو لیے جا رہے ہیں جو مغربی تہذیب کا راستہ ہے۔ یہ لوگ اس غلط فہمی میں ہیں کہ آدھے مغربی اور آدھے اسلامی طریقوں کو جمع کر کے یہ دونوں تہذیبوں کے فوائد و منافع اکٹھے کر لیں گے۔

یعنی ان کے گھروں میں اسلامی اخلاق بھی محفوظ رہیں گے اور ان کی خاندانی زندگی کا نظم بھی برقرار رہے گا اور اس کے ساتھ ان کی معاشرت اپنے اندر مغربی معاشرت کی برائیاں نہیں بلکہ صرف اس کی دل فریبیاں ' اس کی لذتیں اور ان کی مالی منفعتیں جمع کرے گی" (پردہ)۔

اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا تجدد کی راہ پر رکھا ہوا قدم ایک دفعہ اٹھ کر اسی حد پر رک جائے گا جو حد حقانی صاحب بتا رہے ہیں۔ اس سوال کا ایک جواب ہم مولانا مودودی "کے الفاظ میں سامنے رکھتے ہیں: "یہ بھی خلاف عقل اور خلاف فطرت ہے کہ ایک مرتبہ اسلام کے مضبوط اخلاقی نظام کی بندشیں ڈھیلی کرنے اور نفوس کو قانون شکنی سے لذت آشنا کر دینے کے بعد اس سلسلے کو اسی حد پر روک رکھیں گے جس کو آپ نے خالی از مضرت سمجھ رکھا ہے... تمدن اور معاشرت میں ہر غلط طریقے کی ابتدا ابتداً معصوم ہوتی ہے مگر ایک نسل سے دوسری نسل اور دوسری سے تیسری نسل تک پہنچتے پہنچتے وہی چھوٹی سی ابتدا ایک خوفناک غلطی بن جاتی ہے"۔

جناب حقانی کا مشورہ اگر بے ضرر سا معاملہ ہوتا تو ہم اس تفصیل کے ساتھ اس بحث میں نہ پڑتے۔ مگر کسی بڑے دشمن اسلام نے کہا تھا کہ "مسلمان عورت کے سر اور چہرے کو ڈھانپنے والے کپڑے کو وہاں سے اتارو اور قرآن کو اس میں لپیٹ دو۔ مسلمانوں کے زوال و تباہی کا سب سے کارگر نسخہ یہی ہے"۔ اس کا مطلب ہے کہ اسلام کے دشمن اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اسلام ان کے لیے اس وقت تک خطرہ ہے جب تک مسلم خاتون کا سر اور چہرہ مستور اور قرآن کھلا ہوا ہے۔

جناب حقانی کی طرف سے یہ مشورہ پیش کرنے کا ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والی خواتین نے ایسی کوئی فریاد کی ہو کہ وہ جبراً پردے کی پابند بنائی گئی ہیں اور ان ستم رسیدہ عورتوں کی گھٹی گھٹی فریادیں کسی طریقے سے ان کے کان میں پڑ گئی ہیں۔ مگر ہم بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ جماعت اسلامی کی جو خواتین حجاب و نقاب کی پابندی اختیار کیے ہوئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جسے زبردستی پردہ کرایا گیا ہو۔ یہ پردہ انھوں نے خالص دینی تقاضا سمجھ کر اختیار کیا ہے۔

حقانی صاحب کے اس مشورے کا دوسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک جوں ہی یہ خواتین بے حجابانہ و بے باکانہ میدان میں اتریں گی ' بند دروازے کھل جائیں گے اور اسلامی انقلاب برپا ہو جائے گا۔ لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک تو جماعت اسلامی کی ہمدرد خواتین ساری کی ساری چہرے کے پردے کی ملتزم و پابند نہیں ہیں۔ جو پابند ہیں وہ پردے کے اہتمام کے ساتھ بازاروں سے خرید و فروخت کرتی ہیں ' معاشرتی تقاضے پورے کرتی ہیں ' بعض ایسی بھی ہیں جو مختلف شعبوں میں ملازمتیں کر رہی ہیں۔ وہ اجتماعات اور جلسوں میں شریک ہوتی ہیں ' انتخابی مہم کو اپنے دائرے میں چلاتی ہیں ' گھر اور

بچوں کو سنبھالتی ہیں۔ دنیا بھر میں مسلمانوں پر کہیں مصیبت آئی ہو' وہ احتجاجی مظاہرے کرتی ہیں' پریس کانفرنسیں کرتی ہیں۔ غرض کہ کوئی ایسا کام نہیں ہے جو بے پردہ عورتیں کر رہی ہوں اور یہ باپردہ خواتین پردے میں رہتے ہوئے اسے نہ کر پا رہی ہوں۔ ایسے میں ہم یہ کیسے سمجھیں کہ خواتین کا پردہ ہی جماعت اسلامی کی کامیابی میں واحد رکاوٹ رہ گیا ہے۔ (منیر احمد خلیلی)

(صاحب مضمون کی اجازت سے مضمون کی تلخیص پیش کی جا رہی ہے۔)

صوبہ سرحد میں

ترجمان القرآن حاصل کرنے کے لیے:

۱۔ ریاض نیوز ایجنسی 'ایبٹ آباد
۲۔ بدر نیوز ایجنسی 'گلشن روڈ 'جی ٹی روڈ 'منگورہ
۳۔ کتاب گھر 'نزد پولیٹیکل تھانہ 'کوہاٹ
۴۔ ہزارہ بک سینٹر 'گورنمنٹ کالج نمبر ۲ روڈ مندیاں 'ایبٹ آباد
۵۔ یونیورسٹی بک ایجنسی 'خیبر نامہ 'پشاور
۶۔ خان میر اخبار فروش خیبر بازار 'پشاور
۷۔ عبدالمغر نیوز ایجنٹ 'مقام ٹل 'کوہاٹ
۸۔ شعیب سنز پبلشرز 'جی ٹی روڈ مینگورہ سوات
۹۔ افضل نیوز ایجنسی 'چوک یادگار 'پشاور
۱۰۔ فرمان علی نیوز ایجنسی 'بدین 'سوات
۱۱۔ فتح الرحمن نیوز ایجنٹ 'مالاکنڈ
۱۲۔ ضیاء بکڈپو 'گرین چوک 'منگورہ
۱۳۔ عثمانی کتب خانہ 'بڈانگ روڈ 'چارسدہ
۱۴۔ ممتاز نیوز ایجنسی 'جہانگیرہ (نوشہرہ)
۱۵۔ مصری خان نیوز ایجنٹ 'ہنگو کوہاٹ
۱۶۔ ندیم فارمیسی 'لاچی 'کوہاٹ
۱۷۔ فضل رحمانی 'پرنسپل حرا سکول 'کبل 'سوات
۱۸۔ خلیل جنرل اسٹور 'غیاری بازار 'سرائے نورنگ 'لکی مروت
۱۹۔ لالہ زار پبلک اسکول 'تھانہ 'مالاکنڈ ایجنسی
۲۰۔ رحمت جنرل اسٹور 'مین بازار چکدرہ 'دیر
۲۱۔ دی اسلامک بک ڈسٹری بیوٹرز 'پشاور 'نورور جان 'گلی نمبر ۳ 'حیدر شاہ ٹاؤن 'فون نمبر ۲۴۴۵۶۶

رسائل و مسائل

تحریک اسلامی کا ابتدائی دور آپ کو بھی یاد ہو گا۔ آج کے یہ بوڑھے بوڑھے کارکن اس وقت جوان تھے' ان میں باہم کس قدر خلوص و تعاون تھا' یہ بہت ہی پرجوش اور سرگرم تھے' جماعت کے کاموں میں ہر وقت لگے رہتے تھے گویا اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ ایک آج کا دور ہے! نہ آپس میں خلوص و قربت ہے' نہ کوئی سرگرمی اور لگن۔ پہلا سادہ جوش تو اب نظر ہی نہیں آتا۔ ان کارکنوں کو دیکھ کر تحریک کی عظمت دل میں بیٹھتی تھی' اب کے کارکنوں کو دیکھو تو مایوسی طاری ہونے لگتی ہے' کیا ایسے لوگوں سے توقع کی جائے کہ ان کے ذریعے کوئی خوشگوار انقلاب آسکے گا؟

آپ کے طویل سوال کا خلاصہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ جماعت اسلامی کے بارے میں جن خیالات اور تاثرات کا اظہار آپ نے کیا ہے اکثر و بیشتر ان کا اظہار لوگ کرتے رہتے ہیں' اور جس تشویش میں آپ مبتلا ہیں اس میں بھی آپ منفرد نہیں ہیں۔ کبھی کبھی اس طرح کے وسوسے خود تحریک سے وابستہ لوگوں کی مجلسوں میں بھی سامنے آتے ہیں۔ ممکن ہے آپ عملاً تحریک سے وابستہ نہ رہے ہوں' مگر تحریک سے آپ کو گونہ تعلق اور وابستگی بھی ضرور ہے۔ ورنہ آپ یہ سوال کیوں کرتے؟

بھائی میرے' تحریک کے ابتدائی دور میں' اس کو اپنانے والے چند نفوس ہوتے ہیں' وسائل مفقود ہوتے ہیں۔ یہ چند افراد اپنی توانائیوں' اپنی صلاحیتوں' اپنے اوقات اور اپنے مال اور محدود وسائل کے ساتھ تحریک کا کل سرمایہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنا سب کچھ لگا کر تحریک کو جان بخشتے ہیں۔

۲۶ اگست ۱۹۴۱ کا دن کس قدر روشن دن تھا جب ہندستان بھر سے ۷۵ افراد جمع ہوئے' اور انھوں نے جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی۔ تحریکی کام کا آغاز ۷۴ روپے کے حقیر سرمایے سے ہوا' اور پھر یہ ننھی کونپل بڑھتے بڑھتے ایک تناور درخت بن گئی۔ ایک تحریک کا ابتدائی دور زریں دور ہوتا ہے۔ جذبات' جوش و خروش اور قربانی و جاں نثاری کے ولولوں کی فراوانی ہوتی ہے۔ اس دور میں تحریک کو جو کارکن ملتے ہیں وہ عموماً دل و جان سے تحریک پر قربان ہوتے ہیں' ان کا اخلاص' ان کی سرگرمیاں' ان کے باہمی تعلقات' اور اخوت و محبت مثالی ہوتی ہے۔ وہ سب کچھ دے کر بھی یہی تصور رکھتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ اگرچہ انسان' انسان ہے' اور اس دور میں بھی خامیوں' کوتاہیوں اور

لغزشوں کا فقدان نہیں ہوتا۔ سلف کو دیکھ لیں، یا خود جماعت کا اولین دور۔ اس کے بعد تحریک کا وہ دور آتا ہے جب تحریک کے پاس مال و دولت کی کثرت اور وسائل و ذرائع کی فراوانی ہو جاتی ہے، تحریک کے ذریعے لوگوں کے مسائل حل ہونے لگتے ہیں، مناصب کے حامل لوگوں کی شخصیتیں بننے لگتی ہیں۔ اس دور میں بعض لوگ اپنے مفادات حاصل کرنے کی کوشش بھی کرنے لگتے ہیں، اور مفادات کی کشاکش بھی شروع ہو جاتی ہے۔ بعض صورتوں میں مقصد کے لیے لگن، نصب العین کے حصول کے لیے سرگرمیاں اور باہمی خلوص اور بے لوث محبتوں کی جگہ مفادات کا ٹکراؤ، ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی ہوس، مناصب کے حصول کی فکر و کوشش اور اس طرح کے گھٹیا مقاصد نصب العین کی جگہ بھی لے لیتے ہیں۔ اس دور عبرت میں ایسے لوگ بھی تحریک میں گھس سکتے ہیں جو صرف اپنی شخصیتیں ابھارنے، اپنی زندگیاں بنانے، اپنی دنیا تحریک کے ذریعے سدھارنے اور اپنے اثرات پھیلانے کے مقاصد سامنے رکھتے ہیں۔

اس دور کا ایک افسوسناک پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ پرانے جاں نثار اپنی پستی کا ماتم تو کرتے رہتے ہیں، لیکن عملی طور پر خود بھی ان نوواردوں کے برے کردار سے متاثر ہونے لگتے ہیں۔ وہ اپنے شاندار ماضی کے تذکروں سے دل کا غم دور کرنے میں اپنے عزیز اوقات صرف کرنے لگتے ہیں، لیکن اپنے حال کو ماضی کا آئینہ دار بنانے کی فکر و کوشش کی ہمت نہیں کرتے۔ جاں فروشی، جاں سپاری، جان و مال کی قربانی اور تحریکی شعور اور لگن کی باتیں تو بڑی دل سوزی اور زور زبان کے ساتھ کرتے ہیں ــ اور وقت کا بڑا حصہ اسی میں صرف کرتے ہیں ــ لیکن عمل کے میدان میں کچھ کر دکھانے اور اپنے کمزور ساتھیوں میں حوصلہ ابھارنے اور انھیں اخلاقی اعتبار سے اونچا اٹھانے کی ہمت سے وہ بھی محروم ہو چکے ہوتے ہیں۔ خرابیوں کے اسباب و محرکات ادھر ادھر تلاش کرنے میں زبردست دانشوری اور کمال بصیرت کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں، لیکن اپنے اندر جھانکنے اور مرض کی اصل جگہ پر انگلی رکھنے کی ہمت نہیں کرتے۔ یا تو وہ مرض کو پکڑنے کی ہمت اور بصیرت سے محروم ہوتے ہیں، یا جانتے بوجھتے خود کو اور خلق خدا کو فریب دیتے ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ جن باشعور افراد کو یہ احساس ہو کہ تحریک کے کارکن خلوص کھو چکے، جمود طاری ہو چکا، کارکنان تحریک اپنے مفاد کی خاطر ٹکرانے لگے، ان کا فرض ہے کہ وہ مرثیہ خوانی کی عادت چھوڑ دیں۔ مرثیہ خوانی شکست پر مطمئن ہونے کی مستقل علامت ہے۔ اصلاح اس کے بغیر ممکن نہیں کہ آدمی آگے بڑھ کر وہ سب کچھ خود کرنے لگے جو اس کے نزدیک تحریک کے دوسرے غافل کارکن نہیں کر رہے ہیں۔ آدمی دوسروں کی فکر میں سرگرداں رہنے کے بجائے اپنی فکر میں لگ جائے، جن قربانیوں

اور سرگرمیوں کی وہ دوسروں سے توقع کر رہا ہے وہ توقعات خود پوری کرنے لگے ' اور لوگوں کی جن برائیوں اور کمزوریوں پر وہ تشویش اور مایوسی کا شکار ہوا جا رہا ہے ان سے اپنی ذات کو محفوظ رکھے ' اپنی سعی و جہد اور اخلاص و قربانی سے مایوسی اور بے ہمتی کی فضا کو حوصلے اور امید کی فضا میں بدل دے ' تا کہ قافلے کی سعید روحیں اس کو دیکھ کر اپنی زندگی سے شرمانے لگیں ' اور اس کا حوصلہ دیکھ کر خود کو حوصلہ مند محسوس کرنے لگیں۔

تحریک کی زبوں حالی دیکھ کر آپ جس تشویش اور مایوسی میں مبتلا ہیں 'کیا آپ نے اپنی اس روش پر سنجیدگی سے غور کیا۔ جو سوال آپ نے اٹھایا ہے اس کا جواب پاکر ' کارکنوں کے حق میں ملامت کے کچھ الفاظ کہہ کر یا کہلوا کر 'کیا آپ اپنے فریضے سے سبک دوش ہو جائیں گے؟ کیا اس طرح خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کر کے آپ سمجھتے ہیں کہ آپ خدا کے نزدیک بری الذمہ ہو گئے اور آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہی ہے تو یقین کیجیے کہ آپ بہت ہی غلط اور نازک مقام پر کھڑے ہیں ' اور اس نازک مقام پر آپ ہر وقت خطرے میں ہیں۔ کسی وقت بھی آپ اس مقام سے انتہائی پستی میں گر سکتے ہیں۔ اگر واقعی آپ یہ احساس رکھتے ہیں کہ خدا کے دین کی تحریک مضمحل ہو رہی ہے ' خدا کا دین رسوا ہو رہا ہے ' کارکنان تحریک شرم ناک کردار کا مظاہرہ کر رہے ہیں تو ایک لمحہ ضائع کیے بغیر آپ میدان میں آیئے ' ہمت سے کام لیجیے ' اپنے رب سے کیے ہوئے عہد کو نباہنے کی کوشش کیجیے اور تحریک کے ناکارہ کارکن جو کچھ نہیں کر رہے ہیں آپ وہ سب کچھ کرنے کی ہمت کیجیے۔ تحریک ان کارکنوں کی نہیں آپ کی ہے ' آپ کے رب کی ہے۔ دین اس کا ہے جو اس کے تقاضے پورے کرے اور اس کی خدمت کے لیے کمر ہمت باندھ لے۔ آپ اس پختہ عزم کے ساتھ اٹھیے کہ میں اپنے رب کا دین ان غفلت شعاروں کے ہاتھوں ہرگز رسوا نہ ہونے دوں گا۔ میں ہرگز اس صورت حال کو برداشت نہ کروں گا۔ کوئی ساتھ نہ دے تو میں اکیلا آگے بڑھوں گا ' اور یہ خطاکار جو نہیں کر پا رہے ہیں اللہ کی حمایت سے میں کر کے دکھاؤں گا۔ یہ لوگ جس قدر کمزوری دکھائیں گے ' اسی قدر حوصلے سے میں آگے بڑھوں گا۔

اگر آپ واقعی اس فکر و تشویش میں مخلص ہیں اور تحریک کی زبوں حالی پر آپ دل میں درد محسوس کر رہے ہیں ' تو آپ مردہ جسموں میں روح پھونکنے والے ہوں گے نہ کہ محض مرثیہ پڑھنے والے ' اور دوسروں کی ملامت سے نفس کو غذا فراہم کرنے والے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ واقعی آگے بڑھیں تو آپ ہرگز میدان میں اکیلے نہ رہیں گے۔ تحریک میں سعید روحوں کی کمی نہیں ہوتی ' انھیں کسی محرک اور مہمیز کی ضرورت ہوتی ہے۔

ضرورت صرف اس کی ہے کہ اندر کے خیر خواہ اور باہر کے محسنین صرف مرثیہ خوانی اور ماتم و ملامت کو اپنا شعار نہ بنائیں' اور تنقید و تجزیہ کرتے رہنے ہی کو آخری فرض نہ سمجھیں' اور اسی عمل پر اطمینان کیے بیٹھے نہ رہیں۔ آخر جو لوگ کارکنوں کی کمزوریوں کو نمایاں کرنے میں اور تحریک پر آنسو بہانے میں وقت صرف کرتے ہیں وہ حوصلہ مندوں کی طرح آگے بڑھ کر خود علم کیوں نہیں اٹھاتے۔

تحریک سے دردمندی کا اظہار کرنے والوں کا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ جن کوتاہ کاریوں پر ان کا دل کڑھ رہا ہے ان سے اپنی زندگی کو بلند رکھیں اور جن خوبیوں کو وہ دوسروں میں دیکھنا چاہتے ہیں ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے لگ جائیں۔ دوسروں کی زندگی اور دوسروں کے دل پر بلاشبہ قابو نہیں ہوتا' مگر اپنے دل تو ہمارے قبضے میں ہیں۔ دوسروں کو سدھارنے کی آرزو سے پہلے خود کو سدھارنے کی کوشش کیجیے' دوسروں کو جس مقام پر دیکھنا چاہتے ہیں خود کو پہلے اس مقام پر کھڑا کیجیے۔ اگر یہ ہمت نہیں ہے' تو پھر یاد رکھیے آپ کے حصے میں ماتم اور مرثیہ خوانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپ محرم کا انتظار کیے بغیر سال کے ۱۲ مہینے ماتم کرتے رہیے' خود بھی روئیے دوسروں کو بھی رلائیے اور زندگی سے محرومی کو اپنا مقدر سمجھیے۔

جواباً جو میں نے یہ عرض کیا کہ کوتاہیاں بالعموم اس وقت پیدا ہو جاتی ہیں جب تحریک میں وسائل اور دولت کی فراوانی ہوتی ہے' تو اس جواب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس وقت تحریک اسلامی میں بالفعل یہ ساری کمزوریاں در آئی ہیں اور کارکنان واقعتاً اسی پستی تک اتر آئے ہیں۔ میرا اپنا تاثر یہ ہے کہ تحریک الحمدللہ ابھی بڑی حد تک ان تمام کمزوریوں سے محفوظ ہے۔ میں نے جن خرابیوں کی طرف اشارے کیے ہیں' ممکن ہے کہیں کہیں وہ نمودار ہو گئی ہوں لیکن بحیثیت مجموعی اللہ کے فضل و کرم سے تحریک ابھی ان خرابیوں سے بڑی حد تک پاک ہے۔ اگر آپ حقیقت پسندانہ انداز میں جائزہ لیں تو آج بھی تحریک کے کارکنوں میں اخلاص' سرگرمی' لگن اور نشاط پائیں گے' اور بجا طور پر ہم تحریک سے اچھی توقعات وابستہ کر سکتے ہیں۔ بعض کارکنان میں وہ کمزوریاں ہو سکتی ہیں' جن کی آپ نے نشان دہی کی ہے' یہ بھی ممکن ہے کہ جس مقام پر آپ رہتے ہیں سوء اتفاق سے وہاں اسی قسم کے افراد جمع ہو گئے ہوں' اس لیے میں یہ تو نہیں کہتا کہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ آپ کا وہم ہے' لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ پوری تحریک پر اس مطالعہ اور مشاہدہ کو چسپاں کرنا تحریک کے ساتھ بھی زیادتی ہے اور اپنے لیے بھی مایوسی کی راہ ہموار کرنا ہے۔

آپ اپنے چاروں طرف دینی زندگی کے جو آثار دیکھ رہے ہیں اور جن مجاہدانہ عزائم اور کارناموں کی سماعت سے آپ کے ایمان میں حرارت پیدا ہوتی ہے' آپ کیوں بھول جاتے ہیں کہ یہ

بیش تر تحریک اسلامی کے مثبت اثرات ہیں اور بہت سے خاموش اثرات وہ ہیں جن تک بعض اوقات نگاہ بھی نہیں جاتی لیکن بہت ہی دھیمے اور مستحکم انداز میں وہ خوشگوار انقلاب کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں۔ بد ترین ماحول میں دین سے وابستہ رہنا' اور اس کے غلبے کے لیے جان و مال لٹانا' یہ تحریک اسلامی ہی کے فیوض و برکات ہیں۔

میں مانتا ہوں کہ آپ کے کچھ ساتھی کمزور اور خام بھی ہو سکتے ہیں' لیکن آپ صرف انھی کو کیوں نگاہ میں رکھتے ہیں۔ تحریک کے جاں نثاروں پر بھی نگاہ رکھیے جو خود بھی روشن ہیں اور تحریک کی تاریخ کو بھی روشن کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تعداد بلاشبہ تحریک میں کم نہیں ہے۔ چند اخلاقی مریض ہر تحریک میں گھس آتے ہیں جن کا کام خلفشار پھیلانا' آپس میں بدگمانیاں اور بداعتمادیاں پیدا کروانا اور غیبت' چغل خوری اور عیب چینی کرنا ہوتا ہے۔ یہ لوگ شخصیتوں کو نظروں سے گرانے' کرداروں کو داغدار بنانے اور بغض و عناد کے بیج دلوں میں بونے کی مہم میں سرگرم رہتے ہیں۔ یاد رکھیے ان کی حوصلہ افزائی ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ یہ چرب زبان بڑے خیر خواہانہ انداز میں تحریک کے لیے انتہائی دل سوزی کا مظاہرہ کرتے ہیں مگر یہ تحریک کے لیے زہریلے ناگوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ ان سے تحریک کو بچانا بہت ضروری ہے۔ ان کی ہمت شکنی کرنا اور ان کو دراندازی کا موقع نہ دینا اور ان سے تحریک کو پاک رکھنے کی کوشش کرنا تحریک کی زبردست خدمت ہے۔ یہ تھوڑے ہوتے ہیں لیکن ان کا نقصان بہت زیادہ اور دوررس ہوتا ہے۔

آپ مایوس ہرگز نہ ہوں۔ اس ملک میں ان شاء اللہ اسلامی تحریک کامیاب ہو رہی ہے۔ یہ محض خوش فہمی نہیں بلکہ اللہ کی سنت کا شعور ہے۔ بے شک تحریک کے ساتھی کمزور ہیں' حالات سخت ہیں' ماحول مخالف ہے' لیکن یاد رکھیے خدا قوت و طاقت کا سرچشمہ ہے اور حالات کسی عالمی طاقت یا حکومت کے قبضے میں نہیں ہیں' بلکہ جلال و جبروت والے خدا کی چٹکی میں ہیں۔ جس خوش گوار اسلامی انقلاب کا آپ انتظار کر رہے ہیں وہ آپ کی قوت و طاقت سے نہیں آئے گا۔ آپ کو تو آپ کا رب اپنی راہ پر صرف رواں دواں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ کارکنوں کے کمزور بازوؤں کے بل بوتے پر نہیں ہوتا بلکہ عزیز و قدیر کی بے پناہ قوت و طاقت اور قدرت و نصرت کے سہارے ہوتا ہے۔ وہ صرف ۳۱۳ کو اپنی زندگی بھر کی پونجی کے ساتھ مصروف جہاد دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے فداکار اپنے ٹوٹے پھوٹے وسائل اور شکستہ ہتھیاروں کے ساتھ میدان میں اتر پڑیں اور جاں نثاری کا ثبوت دیں۔ پھر وہ کمان اپنے ہاتھوں میں لے لیتا ہے اور ایسی فتح و نصرت نصیب فرماتا ہے کہ قوموں کی تاریخ بدل جاتی ہے۔ یہ ہماری تاریخ ہے اور اس تاریخ کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے۔ (مولانا یوسف اصلاحی)

چند سوالات

۱۔ اگر کوئی بچہ اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ اس کا کوئی عضو اپنی جگہ پر درست نہیں ہے تو عام لوگ اسے خدا کی طرف سے سمجھتے ہیں جبکہ ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ یہ محض کروموسوم کی وجہ سے ہے۔ اگر آپ کو خدا پر واقعی یقین ہے تو آپ غدود آپریشن کے ذریعے کیوں نکلواتے ہیں؟ کیا خدا آپ کی بیماری دور نہیں کر سکتا؟

۲۔ یہ بھی بتایئے کہ انسان کے مردہ جسم کی چیر پھاڑ کر کے میڈیکل کے طالب علم لڑکے اور لڑکیاں جو علم حاصل کرتے ہیں اس کا طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟

۳۔ کیا تحریک کا ایک کارکن اپنے تنظیمی کام کاج چھوڑ کر پڑھائی کر سکتا ہے؟

۴۔ جس کمرے کے اندر انسان کی یا کسی اور چیز کی تصویر ہو، تو کیا وہاں نماز ہو جاتی ہے؟

۵۔ میرے ایک دوست نے تعلیم کے لیے روس جاتے ہوئے داڑھی منڈوا ڈالی تو اس کا یہ عمل کیسا ہے؟ اور داڑھی منڈوانے کی شرعی سزا کیا ہے؟

۶۔ ایک آدمی نے قرآن پر عہد کیا اور پھر توڑ دیا۔ جس کا کفارہ دس آدمیوں کو کھانا کھلانا ہے۔ کیا وہ آدمی دس آدمیوں کے کھانے کی رقم کسی ایک آدمی کو دے سکتا ہے یا الگ الگ آدمیوں کو تھوڑی تھوڑی کر کے دے۔ یہ رقم جہاد فنڈ میں دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

۷۔ حدیث نبوی ؐ ہے کہ دلوں کے زنگ کا علاج قرآن اور موت کو یاد کرنے میں ہے۔ ایک آدمی جو اپنے آپ کو اسلام کے لیے پیش کر چکا تھا، بھٹک گیا، یہاں تک کہ عقیدہ توحید سے بھی منحرف ہو گیا۔ اس کا علاج بھی قرآن اور موت کو یاد کرنے میں ہو سکتا ہے؟ یا یہ صرف ان کے لیے ہے جو ایمان لائے ہوں؟

۸۔ حدیث نبوی ؐ ہے کہ جو شخص آخرت سے محبت کرتا ہے وہ اپنی دنیا ضرور تباہ کرتا ہے۔ اس کی روشنی میں کیا ہمیں اپنی دنیا بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اگر کوئی ڈاکٹر، انجینئر یا کچھ اور بننا چاہتا ہے تو اسلام اس کی کتنی حوصلہ افزائی کرتا ہے؟

۹۔ سیکولر جماعت کو عام طور پر "ترقی پسند" کہا جاتا ہے۔ کیا جماعت اسلامی ترقی کو پسند نہیں کرتی؟ یا اسلام ترقی کرنے سے کسی طرح روکتا ہے؟

۱۰۔ ایک آدمی اپنی ذات کو خدا کے وجود یا خدا کی موجودگی کا احساس کس طرح دلا سکتا ہے۔ اپنی اصلاح کرنے اور اپنے آپ کو بالکل ۔۔ فی صد اسی راہ پر چلانے جو خدا کا حکم ہے، سب سے کارگر نسخہ کیا ہے؟

۱۱۔ ملک میں موجود درجنوں اسلامی جماعتوں نے سخت پریشان کر رکھا ہے جو صرف اپنے آپ کو صحیح اور باقی سب کو غلط سمجھتی ہیں۔ جس کی وجہ سے میرا تو سب سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے۔ نیز جماعت اسلامی کا اس سلسلے میں خود اپنا رویہ کس طرح کا ہے؟

۱۲۔ فوجی پریڈ کرنے کے لیے بینڈ استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

۱۳۔ کیا انگریزی پڑھنا یا سیکھنا گناہ ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو جماعت اسلامی نے انگریزی کی مخالفت کیوں کی ہے؟

۱۴- حرام جانوروں سے حاصل ہونے والی چیزیں مثلاً باہر سے آنے والی خوشبوئیں' ادویات اور ان کے چمڑے سے بنائے گئے کوٹ وغیرہ استعمال کیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

۱۵- کیا پتلون' شرٹ پہننا اسلام میں منع ہے؟

۱۶- یہ بات صحیح ہے کہ اکٹھے کھانا کھانا سنت ہے۔ لیکن میڈیکل کے حوالے سے میرے ایک دوست کو اس بات پر اعتراض ہے کہ اکٹھے کھانا کھانے سے بیماریاں پھیلتی ہیں اور کسی کا جھوٹا پانی پینے سے جراثیم کی منتقلی ہو سکتی ہے۔

آپ کا سوال نامہ ملا۔ میرے علم کی حد تک مختصراً جوابات عرض ہیں۔

۱۔ انسان کا اصل امتحان ہی یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کو' جو غیب میں ہے' عقل اور وحی کی راہ نمائی میں پہچانے اور اس پر ایمان لائے۔ کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے' سب کی توجیہ صرف اسباب و علل کے سلسلے سے کرنا ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دست قدرت غیب کے پردے میں ہے' اور اس کو کسی عقلی یا تجربی دلیل سے اس طرح ثابت نہیں کیا جاسکتا' جیسے دن میں سورج کے وجود کو کیا جاسکتا ہے۔ اگر اس کا وجود بھی اسی طرح ثابت کیا جاسکتا' تو آدمی کے لیے اسے ماننے کے علاوہ کیا چارا ہوتا' وہ مجبور ہوتا۔ پھر اس کا اختیار ختم ہو جاتا اور امتحان تو اختیار کی بنیاد پر ہے' پھر امتحان کی بنیاد ختم ہو جاتی۔ سورج چمکتا ہے' بادل بنتے ہیں' ہوائیں بادل لاتی ہیں' تو پانی برستا ہے۔ اگر کوئی کہنا چاہے کہ اس میں خدا کا کوئی دخل نہیں تو یہ کہنے کی گنجایش ہونی چاہیے' ورنہ پھر ماننے کی مجبوری لاحق ہوگی' اور یہ اکراہ فی الدین کی تعریف میں آجائے گا۔ اس لیے دنیا تو اسباب کے تحت چلے گی۔ ایمان خدا پر لانا ہوگا' تو عقل اور وحی کی راہ نمائی میں۔ جس کی نگاہ آپریشن' دوا' نطفے اور کروموسوم کے ظاہری اسباب و علل میں اٹک جائے' وہ حقیقت سے دور اور ایمان سے محروم رہے گا۔ اسباب کا استعمال' مثلاً آپریشن سے علاج کرانا' بھی اسی لیے ضروری ہے۔ بارش خدا برساتا ہے' لیکن بادلوں کے ذریعے۔ شفا بھی وہی دیتا ہے' مگر علاج کے ذریعے۔ لقمہ بھی وہی منہ میں ڈالتا ہے' لیکن روٹی پکا کر کھانا انسان کے لیے ضروری ہے۔

۲۔ اگر انسانی ضرورت ہو' اور اس کو پورا کرنے کا کوئی ذریعہ منع کردہ چیزوں کو کیے بغیر ممکن نہ ہو' تو وہ چیزیں مباح ہو جاتی ہیں۔ فقہ کے بنیادی اصول سے 'میڈیکل کی تعلیم کے لیے نعشوں کی چیرپھاڑ' مرد کریں یا عورتیں' اسی اصول کے تحت مباح ہیں۔

۳۔ اگر اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو کہ تعلیمی کام چھوڑ کر ہی پڑھائی کی جاسکے' تو شرعاً جائز ہے۔ نظم کو بھی اسے ملحوظ رکھنا چاہیے کہ طالب علم تعلیمی ادارے میں حصول تعلیم ہی کے لیے آتا ہے۔

۴۔ کسی جان دار کی تصویر یا مجسمے کو کمرے میں رکھنا ہی نہ چاہیے۔ اگر کسی ایسی جگہ رکھا ہو جہاں سے ہٹانا اپنے اختیار میں نہ ہو' تو میرے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔

۵- روس میں داڑھی کی وجہ سے تنگ کیے جانے کے موہوم خدشے کی بنیاد پر داڑھی منڈوا دینا میرے نزدیک ایمانی کمزوری کی علامت ہے' اور گناہ ہے۔ اس کی کوئی شرعی سزا نہیں۔ آدمی توبہ استغفار کرے' خود اپنے اوپر کوئی کفارہ عائد کرے' اور جلد از جلد داڑھی دوبارہ رکھنے کی کوشش کرے۔

۶- قسم توڑنے کے کفارے میں دس مساکین کو کھانا کھلانے کا مقصد دس سے کم آدمیوں کو دس کھانے کھلانے سے پورا ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی کو دس بار کھلانے سے بھی۔ کھانے کی رقم دینے سے بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔ میری رائے میں جہاد فنڈ میں دینے سے ادا نہ ہو گا' جب تک یہ یقین نہ ہو کہ وہ رقم مجاہدین کو دی جائے گی اور وہ مساکین کی تعریف میں آتے ہوں۔

۷- جو عقیدہ توحید سے منحرف ہو اور ایمان باللہ سے خالی' اس کو تلاوت قرآن اور موت کی یاد سے پہلا فائدہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایمان واپس آجائے۔ اس کے بعد دوسرے گناہوں کا زنگ دور کرنے کا راستہ نکل سکتا ہے۔ ایمان سے منحرف تو گناہوں کے زنگ سے بدرجہا زیادہ قبیح تاریکی اور زنگ کی کیفیت ہے۔

۸- حدیث کا متن میرے سامنے نہیں' اس لیے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتا۔ دنیا اور آخرت کے بارے میں اللہ اور رسول کی تعلیمات واضح ہیں' اور کوئی حدیث ان تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتی تو اس کی تاویل' تطبیق یا تفتیش کرنا ہو گی۔ مجھے کسی ایسی تعلیم کا علم نہیں جو آخرت سے محبت کرے گا اس کی دنیا تباہ ہو جائے گی۔ دنیا اور آخرت دونوں میں حسنہ طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ دنیا مقصود و مطلوب نہیں' اس لیے کہ وہ امتحان گاہ ہے اور فانی ہے۔ ابدی زندگی آخرت میں ہے' اور اسی میں فوز و فلاح مقصود ہونا چاہیے۔ اس مقصود کے لیے' اللہ کی ہدایت کے مطابق' دنیا کی زندگی پوری طرح بسر کرنا ضروری ہے۔ دنیا کا کام منع نہیں' الا یہ کہ خدا اور رسول نے منع کیا ہو۔ کسان' تاجر' انجینیر' ڈاکٹر بننے کی ممانعت کہیں نہیں' بلکہ ترغیب ہے' اور بعض حالات میں فرض ہو گا جب معاشرے کی ضرورت ہو۔ مجھے ایسے مسلمانوں کا علم نہیں جو ان پیشوں کو ناپسندیدہ سمجھتے ہوں یا فزکس کیمسٹری وغیرہ سے نفرت کرتے ہوں' نہ کوئی مسلمان ایسی لغو بات کر سکتا ہے۔

۹- سیکولر جماعتیں خود ہی اپنے کو "ترقی پسند" کہتی ہیں۔ اصل ترقی پسند تو اسلام ہے' اور وہ جماعتیں ہیں جو اسلام پر کاربند یا احیائے دین کے لیے سرگرم ہوں۔

۱۰- زمین و آسمان اور انسان کے نفس میں' جو ہر وقت سامنے ہیں' ہر چیز خدا کی موجودگی کا احساس دلاتی ہے' بعض لوگ ان یاد دہانیوں پر سے اندھوں بہروں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ آپ تفہیم القرآن کے ان حصوں کا مطالعہ کریں جو آیات الٰہی سے متعلق ہیں' یا ابوالکلام آزاد کی تفسیر سورۃ فاتحہ اور امین

احسن اصلاحی کی حقیقت توحید۔

انسان مختار و آزاد ہے اور امتحان گاہ میں ہے' اس سے گناہ لازماً سرزد ہوں گے اس لیے ایسے نسخے کی تلاش جو.. افی صد حکم خداوندی کا تابع بنا دے' ایک عبث تلاش ہے۔

۱۱۔ درجنوں اسلامی جماعتوں کی موجودگی ہمارے زوال و انحطاط اور اسلام سے دوری کے سبب سے ہے۔ آپ جس کو صحیح پائیں' اعتماد کے ساتھ اس کا ساتھ دیں۔ جماعتوں کی کثرت' ان کے درمیان تنازعات کو جماعتی زندگی اور دین کے لیے جدوجہد سے فرار کا بہانہ نہ بننے دیں۔ کسی سے لڑنے کی ضرورت نہیں' اپنی راہ چلتے رہنا چاہیے۔ یہی جماعت اسلامی کی روش ہے۔

۱۲۔ فوجی پریڈ کے لیے بینڈ کے استعمال پر کوئی ممانعت نہ بھی ہو تو بحیثیت مسلمان ہم کو اپنے رسوم و رواج اور شعار کو غیر مسلم آقاؤں سے مختلف انداز میں بنانا چاہیے۔

۱۳۔ جماعت اسلامی انگریزی پڑھنے کی مخالف نہیں' ہر طالب علم کو انگریزی میڈیم میں تعلیم دینے کی مخالف ہے۔ جماعت کی اکثریت انگریزی جانتی ہے۔ ایک بے بنیاد بات پر مفروضات کی عمارت تعمیر کرنا مناسب نہیں ہے۔

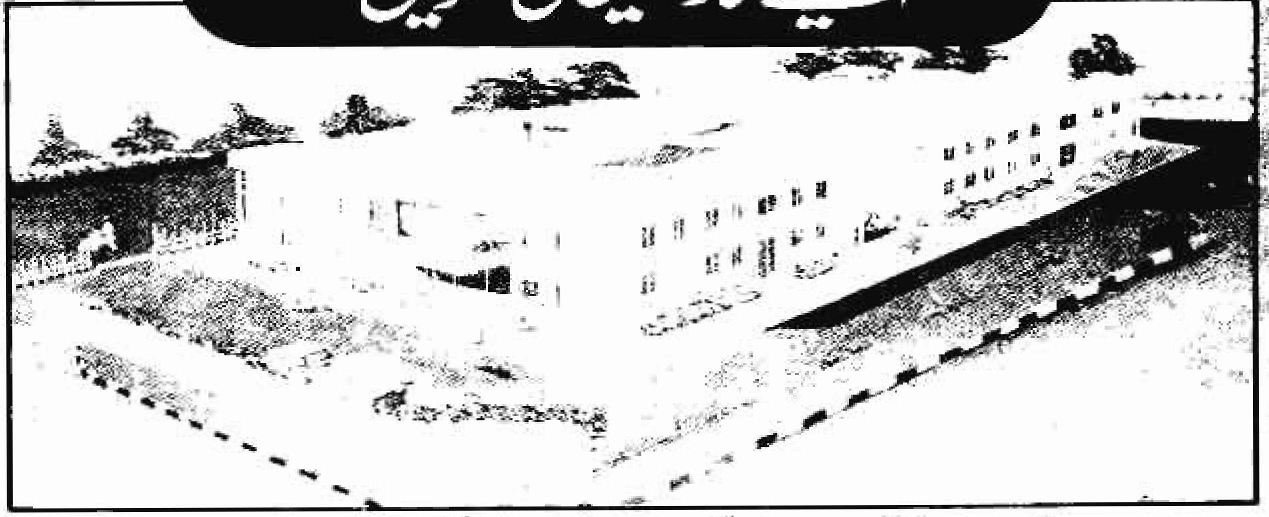
۱۴۔ حرام جانوروں سے حاصل ہونے والی چیزوں سے بنی ہوئی اشیا کا استعمال میرے نزدیک صحیح نہیں' الا یہ کہ ان کی قلب ماہیت ہو چکی ہو' مثلاً چمڑہ کی دباغت ہو چکی ہو' یا کیمیاوی عمل سے ان کی ماہیت بدل چکی ہو۔ لیکن سور کی کھال اور اس کی اشیا کا' ایک حدیث کے مطابق' بہرصورت استعمال کرنا منع ہے۔

۱۵۔ اسلام نے لباس کے بارے میں اصول دیے ہیں۔ فیشن اور وضع قطع تجویز نہیں کی ہے۔ مغرب کے لوگ مسلمان ہوں گے تو وہ اپنا لباس ہی پہنتے رہیں گے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اچھے اچھے مسلمان کوٹ پتلون پہنتے ہیں۔ ایسا سوال آپ کے ذہن میں کیسے آیا۔

۱۶۔ اگر یہ بات واضح طور پر معلوم ہے کہ کسی کے ساتھ کھانا کھانے سے بیماری لگ سکتی ہے' تو اس سے اجتناب کیا جا سکتا ہے۔ اس کو اصول بنا کر' اکٹھا کھانا کھانے ہی کو ترک کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ سنت تو اس سے آگے بڑھ کر ایک برتن سے کھانے کی ہے نہ کہ علیحدہ علیحدہ پلیٹوں میں' اور ایک برتن سے پینے کی ہے نہ کہ علیحدہ علیحدہ گلاسوں سے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو بیماری نہ پہلے لگتی تھی' نہ اب لگتی ہے۔ یہ سنت ہی نہیں' قرآن میں بھی ترغیبی انداز میں اشارہ ہے۔ (خرم مراد)

اور جس نے کسی ایک انسان کی [illegible]

آیئے کار مسیحائی کریں



الخدمت ویلفیئر سوسائٹی (رجسٹرڈ) نے پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے تعاون سے کراچی کے پسماندہ علاقے ضلع غربی میں اورنگی ٹاؤن، قصبہ، علیگڑھ کالونی، بنارس اور قرب وجوار میں رہائش پذیر دکھی لوگوں کے لئے جدید سہولیات سے آراستہ ۱۰۰ بستروں کے ہسپتال کا منصوبہ تشکیل دیا ہے، اس منصوبے کے تعمیراتی اخراجات کا تخمینہ دو کروڑ روپے ہے۔

الخدمت ہسپتال

بالمقابل اورنگی ٹاؤن تھانہ، اورنگی ٹاؤن کراچی

فون: 6668893 - 6668894 فیکس: 6652883

اپنے عطیات بنام الخدمت ویلفیئر سوسائٹی کراچی (رجسٹرڈ) اکاؤنٹ نمبر 6/6 مسلم کمرشل بنک خداداد کالونی برانچ میں جمع کروائیں

الخدمت ویلفیئر سوسائٹی کراچی (رجسٹرڈ)

عطیہ اشتہار - پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کراچی۔

کتاب نما

تاریخِ علوم میں تہذیبِ اسلامی کا مقام: ڈاکٹر فواد سیزگن - ترجمہ: ڈاکٹر خورشید رضوی - ناشر: ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد - صفحات: ۲۴۸ - قیمت: ۱۵۰ روپے -

بیسویں صدی کے بعض اہل مغرب نے تاریخ علوم میں مسلمانوں کی خدمات کا بہت حد تک اعتراف کیا ہے، مگر اس امر کی ضرورت باقی تھی کہ کوئی وسیع النظر اور صاحب بصیرت مسلمان عالم خالصتاً علمی اور غیرجذباتی انداز میں اہل اسلام کی ممتاز علمی خدمات کا تفصیلی جائزہ لے - اس کام کا بیڑا ترکی کے نامور عالم فواد سیزگن SEZGIN نے اٹھایا - ۳۰'۳۵ برس کی محنت شاقہ کے بعد اب تک وہ "تاریخ التراث العربی" کے زیر عنوان نو ضخیم مجلدات تیار کر کے شائع کر چکے ہیں - ۱۹۷۹ میں ڈاکٹر فواد سیزگن کی علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں شاہ فیصل ایوارڈ دیا گیا اور انھوں نے حکومت سعودیہ کی دعوت پر ریاض جا کر تاریخ علوم عربیہ و اسلامیہ پر عربی میں ۱۴ لیکچر دیے جو بعد ازاں فرینکفرٹ سے شائع ہوئے - ان کا اردو ترجمہ ہمارے پیش نظر ہے -

ڈاکٹر فواد سیزگن نے پہلی مرتبہ خالص علمی انداز میں مختلف علوم میں مسلمانوں کی خدمات کا نہایت چھان پھٹک کے بعد جائزہ مرتب کیا ہے اور طب، کیمیا، ریاضیات، فلکیات اور آثار علویہ میں مسلمانوں کی نہایت قابل قدر خدمات کو آئینہ کرنے کے ساتھ ساتھ عربی اور اسلامی علوم کے یورپ کی تحریک احیا پر اثرات، کتاب الاغانی کے مآخذ، قدیم عربی شاعری --- حقیقت یا افسانہ، عربی و اسلامی علوم میں اسناد کی اہمیت اور اسلامی ثقافت میں جمود کے اسباب جیسے موضوعات سے بھی اعتنا کیا ہے - ان خطبات میں اجمالاً ہی سہی، انھوں نے بعض ایسے حقائق بیان کیے ہیں جنھیں ان کی "اولیات" قرار دیا جا سکتا ہے - مثلاً اکثر محققین کے علی الرغم ان کا موقف یہ ہے کہ اسلام میں فکری و علمی نتیجہ خیزی پہلی صدی ہجری ہی میں شروع ہو گئی تھی - اسی طرح انھوں نے اس خیال کی نفی کی ہے کہ تاریخ علوم میں یونانیوں کو اولیت حاصل ہے - ان کے خیال میں یونانیوں کا مقام تاریخ علوم کے وسط میں متعین ہوتا ہے نہ کہ اس کے آغاز میں -

ڈاکٹر سیزگین کے یہ خطبات اس اعتبار سے بھی بے حد چشم کشا ہیں کہ اس میں مسلمانوں کی دیگر اقوام سے فیض اندوزی کے ساتھ ساتھ بعض افراد و اقوام کی سرقہ شعاری کو بھی طشت ازبام کیا گیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ لاطینیوں نے مسلمانوں کے علوم سے استفادہ کیا مگر مسلمان علما کی کتب سے اخذ کردہ حقائق کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔ حد یہ ہے کہ مسلمانوں کی پوری پوری کتب کو اپنی زبانوں میں ترجمہ کر کے انھیں ارسطو اور جالینوس وغیرہ کی تصانیف مشہور کر دیا۔

ڈاکٹر خورشید رضوی نہ صرف ادبیات عربی کے فاضل ہیں بلکہ اردو کے بھی ممتاز ادیب ہیں اور ان دونوں زبانوں پر حاکمانہ قدرت رکھتے ہیں۔ ان جیسا عالم ہی ایک ایسی فکر افروز مگر مشکل کتاب کے ترجمے سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا۔ انھوں نے اکثر و بیشتر نہایت رواں اور لائق مطالعہ ترجمہ کیا ہے مگر انھوں نے اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی التزام ہے کہ ترجمہ بہرحال ترجمہ نظر آئے۔ چنانچہ کتاب میں عربی اسلوب کی چھاپ کہیں کہیں قائم ہے۔ انھوں نے فواد سیزگین کے بعض نتائج تحقیق سے اختلاف کیا ہے۔ اس ضمن میں "آثار علویہ کی تاریخ میں مسلمانوں اور عربوں کا مقام" نامی مضمون پر ان کے حواشی لائق ملاحظہ ہیں جو ان کی وسعت نظر اور تعمق کی عمدہ مثال ہیں۔

یہ کتاب ہمیں ہمارے نہایت پر ارزش فکری ورثے کا شعور بخشتی ہے اور ہمیں اس فخر سے ہم کنار کرتی ہے جو مستقبل کی جانب پر اعتماد پیش قدمی کے لیے ازبس ضروری ہوتا ہے۔ کاش ہمارے ارباب تعلیم اس زندہ اور یقین افروز کتاب کے بعض مضامین کو اپنے نصابات کا حصہ بنائیں۔ (ڈاکٹر تحسین فراقی)

رسولؐ رحمت تلواروں کے سائے میں حافظ محمد ادریس۔ ناشر مکتبہ احیائے دین، منصورہ، لاہور۔ صفحات ۳۴۴۔ قیمت ۹۰ روپے۔

مصنف موصوف تحریک اسلامی کے ان معدودے چند راہنماؤں میں شامل ہیں جن کے ہاں دینی و سیاسی اور دعوتی و تنظیمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی برابر جاری رہتا ہے۔ حافظ صاحب نے متعدد کتابیں تصنیف کرنے کے علاوہ بعض عربی کتابوں کے ترجمے بھی پیش کیے ہیں۔ اب کچھ عرصے سے ان کی توجہ سیرت طیبہ پر ہے۔ زیر نظر کتاب کا پہلا حصہ تقریباً ۲ برس قبل چھپا تھا، جس میں غزوہ بدر، احد اور متعدد چھوٹے چھوٹے غزوات اور سرایہ کے تفصیلی واقعات کے ساتھ ساتھ ان کے محرکات، پس منظر اور نتائج کو بھی بیان کیا گیا تھا۔ زیر نظر دوسری جلد میں غزوہ احزاب اور غزوہ بنو المصطلق کے علاوہ بئر معونہ، واقعہ رجیع، غزوہ ذات الرقاع، غزوہ دومۃ الجندل، غزوہ بدر ثانیہ،

واقعہ افک اور معجزات نبوی وغیرہ شامل ہیں۔

مصنف نے دقیق بحثوں اور روایتی واقعہ نگاری سے اجتناب کرتے ہوئے سیرت کے جہادی پہلو کو عام فہم مگر "جذبات و احساسات سے لبریز" انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا عبدالمالک نے اپنی مفصل "تقدیم" میں اسے ایسی کامیاب کوشش قرار دیا ہے جو "قاری کو بہت سی کتابوں سے بے نیاز کر دینے والی ہے"۔ پروفیسر آسی ضیائی نے مصنف کے وسیع تر دائرہ ماخذ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "اس سے جہاں مصنف موصوف کی محنت و کاوش کا پتا چلتا ہے، وہاں یہ چیز ان کے کثیر المطالعہ ہونے کا بھی ایک کھلا ثبوت ہے اور چونکہ مجھے بھی اس مسودے کو اول تا آخر پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے کا موقع ملا ہے اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ سیرت نبوی پر اس زاویے سے کام کرنے کی ضرورت کو انھوں نے بطرز احسن پورا کیا ہے"۔

حافظ صاحب کا انداز تحریر سلیس اور شگفتہ ہے۔ خدا کرے وہ اس سلسلے کی باقی تین جلدیں بھی تحریر و تیار اور شائع کرنے میں کامیاب ہوں۔ (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

مسئلہ کشمیر، پاک بھارت مذاکرات: ارشاد محمود۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، مرکز الف ۷/۱، اسلام آباد۔ صفحات: ۱۲۸۔ قیمت: ۵۵ روپے۔

کشمیر کا مسئلہ تقسیم ہند کے موقع پر انگریزوں اور ہندوؤں کی ملی بھگت سے پیدا ہوا۔ انگریز اور ہندو دونوں مسلم دشمنی پر متفق تھے اور اسی لیے انتہائی غیر منصفانہ طریقے سے ریڈکلف ایوارڈ کے تحت مسلم اکثریت کے بعض علاقے ہندستان کے حوالے کر دیے گئے۔ پاکستان کو اپنے قیام کے فوراً بعد، اپنے سے کئی گنا بڑے اور طاقتور اور ایک معاند ملک سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ ہم بھارت سے تین جنگیں لڑ چکے ہیں اور بھارت کی معاندانہ روش کے پیش نظر، مستقلاً ایک غیر اعلان شدہ، حالت جنگ میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں مصنف نے قیام پاکستان سے لے کر آج تک کشمیر کے مسئلے پر پاک بھارت مذاکرات کی روداد بیان کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندستان نے ہمیشہ وعدہ خلافی کو اپنا شعار بنایا، بین الاقوامی سطح پر مسلسل جھوٹ بول کر چانکیہ سیاست پر عمل پیرا رہا اور اس طرح مسئلہ کشمیر کو مسلسل الجھاتا رہا۔

اس وقت کشمیر کی تحریک آزادی ایک فیصلہ کن موڑ پر پہنچ چکی ہے۔ اس مناسبت سے یہ کتاب غیر معمولی اہمیت اور افادیت کی حامل ہے۔ ایک طرف ہم اپنی قوم اور عالمی برادری کو اس حقیقت سے

آگاہ کر سکتے ہیں کہ کس طرح ہندستان مختلف حیلوں بہانوں سے اقوام متحدہ کی قرار دادوں سے نہ صرف پہلوتہی کرتا رہا ہے بلکہ عملاً کھلم کھلا ان کی نفی کر رہا ہے۔اس کے ساتھ ہی یہ کتاب کشمیر کے معاملے میں ہمیں اپنی قومی پالیسی نئے سرے سے مرتب کرنے کی راہ سجھاتی ہے۔

مذاکرات کی اس کہانی سے یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بھارت نے مذاکرات کو ہمیشہ وقت گزاری اور اپنے اوپر دباؤ کم کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔اس نے مذاکرات کے موقعوں پر اپنے قومی مفادات کو مقدم رکھا اور اس سلسلے میں کسی دباؤ، مصلحت یا کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا۔اس کے برعکس پاکستان کی قیادت مذاکرات کی میز پر مصلحت کا شکار ہوتی رہی اور مغربی طاقتوں کے زیر اثر اپنے قومی مفادات کے خلاف فیصلے کرتی رہی ہے۔فیصلے کے وقت خدا کی ذات اور اپنے زور بازو کے بجائے مغرب پر تکیہ کیا گیا اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔اس سلسلے میں ہماری وزارت خارجہ کی کارکردگی ہمیشہ سے غیر تسلی بخش اور افسوس ناک رہی ہے۔کتاب میں مذاکرات کے مختلف ادوار کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ (پروفیسر روف احمد شاہ)

امریکہ میں یہودی تنظیمیں : ٹی او برائن۔ ترجمہ: نذیر حق۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۶۶۔ قیمت: درج نہیں۔

ہم آج کل ایسے دور سے گزر رہے ہیں کہ سکہ رائج الوقت 'موافق مخالف سب کے لیے' امریکہ ہی ہے' اس لیے اگر ادارہ معارف اسلامی نے ترجمہ اور اشاعت کے لیے اس ضخیم کتاب کا انتخاب کیا ہے تو تعجب نہ ہونا چاہیے---امریکہ کی نکیل 'کہا جاتا ہے' اور اس کتاب سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں کے ہاتھ میں ہے' جو امریکہ سے اسرائیلی مفادات کے حق میں پالیسیاں اختیار کرواتے ہیں (خواہ ان کی زد امریکہ پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو)۔

کتاب کے مطالعے کے دوران میرے دل میں یہودیوں کے لیے مذمت کے نہیں 'بلکہ تعریف اور واہ واہ کے جذبات ہی پیدا ہوئے جو اپنے مقصد کے لیے قطعی یکسو' سرگرم اور فعال ہیں۔اس کے برعکس مسلمان عام طور پر منتشر' غیر منظم اور اپنے مقاصد سے غافل ہیں حالانکہ نہ امریکہ میں موجود مسلمانوں کو' اور نہ پاکستان 'بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کوئی اپنے مقاصد کے لیے اسی طرح منظم ہو کر کام کرنے سے منع کرتا ہے۔اس لیے اگر یہ کتاب اس کام آئے کہ پڑھنے والے عبرت پکڑیں' یہودیوں ہی سے کچھ سیکھیں اور کام پر لگ جائیں تو چنداں مضائقہ نہیں۔ایسے وقت میں کہ نئی صلیبی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے 'مغرب اور اسلام کے درمیان معرکے کے لیے اسٹیج تیار ہے 'بلکہ بپا ہے' ہر

مسلمان کے لیے جسے ملت کی بقا عزیز ہے، ناگزیر ہے کہ اپنا حصہ ادا کرے 'اور صرف جان ہی نہیں ' اپنا مال بھی پیش کرے ۔جس طرح امریکہ کے یہودی اسرائیل کے حوالے سے چوکنا رہتے ہیں ' ہر طرف نظر رکھتے ہیں 'مسلمان بھی اسلام کے معاملے میں بے حس ' غیر جانبدار اور تماش بین نہ ہوں بلکہ غیرت مندوں کی طرح اپنا فرض ادا کریں۔

کتاب میں امریکہ کی سیکڑوں یہودی تنظیموں کی تفصیلات موجود ہیں۔کسی پاکستانی یونی ورسٹی میں اس طرح کے موضوع پر ریسرچ ہو کہ اسرائیل سے پاکستان کو کیا خطرات لاحق ہو سکتے ہیں' تو شاید یہودی ذہن کو سمجھنے میں یہ کتاب مدد دے گی ۔

یہودی کے ساتھ ''سازش'' کا لفظ ذہن میں آتا ہے۔اس کا تذکرہ امت مسلمہ کے بعض خیر خواہ اس انداز سے کرتے ہیں جیسے کوئی پتا بھی یہودی سازش کے بغیر نہیں ہلتا۔اس سے قوت عمل ' انگیز ہونے کے بجائے ٹھٹھر جاتی ہے۔اس کتاب کی یہ خوبی ہے کہ اس میں اس طرح کا انداز نہیں 'بلکہ کھلے کام بیان کیے گئے ہیں جو 'اگر چاہیں تو 'ہم بھی کر سکتے ہیں۔ (مسلم سجاد)

عورت : حیثیت ' خاندانی کردار اور تعلیم : پروفیسر سید محمد سلیم ۔ ناشر: ادارہ تعلیمی تحقیق ۷ م۔ایبک پارک' ۲۔بہاول شیر روڈ لاہور۔ صفحات: ۱۴۴ ۔قیمت : درج نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت دونوں کو بہترین جسمانی خلقت اور اعلیٰ ترین صلاحیتوں اور قوتوں سے نوازا ہے تاکہ دونوں باہمی اشتراک و تعاون سے نسل انسانی کی بقاو ترقی کے لیے کوشاں ہو سکیں ۔تاہم تخلیق کائنات کے عظیم الشان منصوبے میں دونوں کے کردار کی نوعیت کے مطابق ان کے دائرہ عمل کو معین کر دیا ہے لیکن حیوانی اور مادہ پرست تہذیبوں نے عورت کو ہمیشہ اس کے فطری دائرہ کار سے باہر نکال کر اسے محفل آرائی ' لذت اندوزی اور شہوت انگیزی کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ آج مغرب میں آزادی نسواں یا مساوات مرد و زن کے پر فریب نعرے اور تحریکیں اسی نقطہ نظر کے تحت فروغ پذیر ہیں۔ مغربی ذرائع ابلاغ کی پر زور سعی اور بڑی طاقتوں کی گہری سازشوں کی بدولت مشرقی ممالک خصوصاً مسلمان معاشروں میں بھی ان تحریکوں کے زہریلے اثرات پھیل رہے ہیں۔بد قسمتی یہ ہے کہ مسلمان خواتین آزادی و مساوات کے پر فریب نعروں سے متاثر ہو کر یہ جاننے کی کوشش نہیں کر رہیں کہ وہ غیر فطری اور مصنوعی طرز زندگی اپنا کر کس تباہی کو دعوت دے رہی ہیں۔اس پر طرہ یہ کہ اکثر مسلمان ممالک کے حکمران طبقے اور نام نہاد دانش ور بھی مغربی عزائم کی تکمیل میں ممد و معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں عورت کی حیثیت 'اس کے خاندانی و معاشرتی کردار اور اس کی تعلیم و

تربیت کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کے حیات افروز پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

کتاب کے فاضل مصنف پروفیسر سید محمد سلیم پاکستان کے معروف دانش ور ہیں۔ وہ علمی و تحقیقی مزاج رکھتے ہیں ' انھوں نے نہایت مدلل ' موثر اور جامع انداز سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلامی تعلیمات عورت کی ہمہ جہتی ترقی اور اس کی اخروی کامیابیوں نیز تہذیب انسانی کے ارتقا کی ضامن ہیں۔ کتاب کے مباحث کی ترتیب و تنظیم بہت عمدہ ہے۔ اور اس حوالے سے موضوع زیر بحث پر ایک مفید اضافہ ہے تاہم کمپوزنگ کی بکثرت غلطیاں اگر درست کر لی جاتیں تو بہت اچھا ہوتا۔ (ڈاکٹر رحیم بخش شاہین)

نوشتہ دیوار : اعجاز احمد فاروقی۔ ناشر ادارہ مطبوعات سلیمانی ' غزنی سٹریٹ اردو بازار ' لاہور۔ صفحات ۱۶۸۔ قیمت ۵۴ روپے۔

معروف افسانہ نگار اعجاز احمد فاروقی کا یہ مجموعہ چودہ کشمیر کہانیوں پر مشتمل ہے۔ "نوشتہ دیوار" کی تلمیح عہد نامہ قدیم سے اخذ کی گئی ہے۔ فاروقی کا کہنا ہے کہ حال ہی میں سوویت یونین نوشتہ دیوار پڑھ چکا ہے اور اس سے قبل شاہ ایران بھی۔ اب بھارت کے کانوں میں بھی اس کی بھنک پڑ چکی ہے "وجہیں اس کی مت ماری گئی ہے"۔ وہ کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ کہتا ہے "لیکن یہ کیسا اٹوٹ انگ ہے کہ جو مان کر ہی نہیں دیتا کہ وہ بھارت کا اٹوٹ انگ ہے اور اس اٹوٹ انگ کو اٹوٹ انگ رکھنے کے لیے اس کو چھ لاکھ فوج کی ضرورت پڑ چکی ہے"۔

زیر نظر افسانوں اور کہانیوں کے کردار غلامی کی اندھیری رات میں چمکتے دمکتے ستاروں سے بھی زیادہ روشن ہیں۔ مجاہدین اور ان کے متعلقین کا "شرارہ ایمان" اس راستے پر چلنے والوں کے لیے نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان سب کی تمنائے کبیر شہادت کی موت ہے۔ ان میں میجر گل حمید جیسے کردار بھی ہیں جو قلب ماہیت کے بعد شہادت کی مراد کو پا گئے اور ناہید ترابی جیسی لیڈی ڈاکٹر بھی جس نے بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے سکالرشپ کو ٹھکرا کر کشمیر کی جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ بینا دیوی بھی ' جو اب سلمیٰ خانم ہو چکی ہے۔ اسی طرح رشید احمد ترابی جیسا محب وطن بھی جس کے بارے میں یہ جملہ مشہور تھا کہ وہ "پہلے تو کشمیر میں رہتا تھا اور اب کشمیر اس میں رہتا ہے" ' اور علی احمد شاہ بھی جس کا چھینا بیٹا شہید ہو گیا تو اس کے رفقائے کار اس کی زبان سے یہ سن کر حیران رہ گئے "اس نے اپنی امانت بہت بڑی شان انداز میں واپس لے لی ہے"۔

"ونڈ سکرین پر تارکول"، "دوغل جبرئیں" اور "بحر ظلمات میں چھلانگ" قدرے مختلف قسم کے افسانے ہیں۔ ظالموں پر افتاد پڑتی ہے تو قدرتی طور پر مظلوموں کو احساس تسکین ہوتا ہے۔

فاروقی بات کہنے اور کرنے کا ایک خاص سلیقہ رکھتے ہیں۔ ان کہانیوں میں زندگی کی معنویت ' حلال و حرام کی تمیز' فلسفہ شہادت ' وساوس شیاطین جیسے موضوعات پر معنی خیز اور منطقی گفتگو ملتی ہے۔ فاروقی نے یہ کہانیاں موضوع میں ڈوب کر لکھی ہیں۔ اس کے بقول "ان کہانیوں کے اصل مصنفین بھی مجاہدین مقبوضہ کشمیر ہی ہیں"۔

کشمیر جیسے بڑے المیے پر ہمارے قلم کاروں نے بہت تھوڑا لکھا ہے' خصوصاً اردو افسانہ تو اس باب میں ابھی خاصا تہی دامن ہے' اس اعتبار سے اعجاز فاروقی کا یہ مجموعہ افسانے کی خشک صحرائی زمین پر ایک خوشگوار چھینٹے کی حیثیت رکھتا ہے۔ معاصر پاکستانی افسانہ نگار اگر "نوشتہ دیوار" کو فرض کفایہ نہ سمجھ لیں تو یہ ان کی غیرت ملی و قومی بلکہ غیرت ادبی کے لیے تازیانہ ثابت ہو سکتا ہے۔ "دیکھیں کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے"۔ (ر۔ ہ)

ایک مسافر' وادی دل میں : جیلانی بی اے۔ ناشر: القمر انٹرپرائزز' اردو بازار' لاہور۔ صفحات ۱۵۹۔ قیمت: ۸۰ روپے۔

جیلانی بی اے 'جماعت اسلامی کے دیرینہ رکن تھے۔ جماعت میں وہ مختلف ذمہ دارانہ مناصب پر فائز رہے۔ خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ایک سماجی کارکن کی حیثیت سے کام کیا۔ آخری زمانے میں ان کا رول ایک بااصول صحافی کا رہا۔ مگر راقم کے نزدیک ایک ادیب' اور افسانہ نگار کے طور پر ان کی حیثیت بہت منفرد اور سب سے اہم ہے۔۔۔ وہ ہمارے عہد کے معدودے چند خوب صورت نثر لکھنے والوں میں سے تھے۔

اس مجموعے کی بیشتر تحریریں صنف افسانہ کے زمرے میں آتی ہیں۔ بلاشبہ جیلانی کہانی کے فن اور تکنیک سے پوری طرح واقف ہے مگر اس پر مستزاد اس کے ہاں وہ خاص بات جسے جناب نعیم صدیقی نے بایں الفاظ بیان کیا ہے: "اس کی کہانیوں میں یونانی حکما کے نکات ' روسی تجزیہ معاشرہ ' فرانسیسی پیچیدگی اور باریکی نکات اور اقبال اور مودودی کے اسرار و رموز' ان کے ساتھ دیہاتی زندگی کے سادہ مگر پرخلوص رویے 'جدید تہذیب کے ٹیڑھ یہ سب کچھ گھلا ملا ہے"۔۔۔ ان افسانوں میں لکھنے والے کا سوز و گداز' اخلاقی احساس ' فلسفیانہ اپروچ ' استعجاب انگیز سوالات 'تفکر انگیز تجسس اور باطنی اضطراب' ایک مختلف انداز میں سامنے آتا ہے۔

مرتبین نے ان تحریروں کو بلاشبہ محنت سے جمع کیا ہے مگر بے حد افسوس ہے کہ ان کا ماخذ اور زمانہ تحریر نہیں بتایا۔ جیلانی کے ذہن و فکر کے مطالعے کے لیے یہ ازبس ضروری تھا۔ زیر نظر جملہ

تحریروں کو "افسانے" قرار دینا' جیلانی سے انصاف نہ ہو گا۔ "نوید بہار" ہجرت رسول ؐ کا واقعہ ہے۔ چند نظارے محض ایک بیانیہ ہے' موجودہ ماحول اور نظام تعلیم پر بے اطمینانی کا ایک تاثر--- آخری خاکہ نما تحریر کا موضوع سید مودودی کی شخصیت ہے۔ ان غیر افسانوی تحریروں میں بھی جیلانی کا مخصوص اسلوب اور باندا ز دگر بات کرنے کا ڈھنگ نمایاں ہے مثلاً: ۱۹۴۲ میں پہلی مرتبہ مجھے محسوس ہوا کہ گرمی حیات کیا ہوتی ہے؟ ۱۹۴۳ کے اجتماع دارالاسلام میں شرکت کے لیے جب میں گھر سے چلا تو یوں محسوس ہو رہا تھا گویا دنیا و مافیہا سب کچھ ہیچ ہے۔ میری زندگی میں مولانا داخل ہوئے تو مجھے یوں لگا جیسے تاریک کوٹھڑی کا دریچہ کھل گیا ہو اور سیاہی میں لپٹی ہوئی ہر چیز نمایاں ہو گئی ہے۔ پھر درد و سوز کے معنی بھی ابھر آئے۔ معلوم ہو گیا کہ جدوجہد اور حرکت کیا ہوتی ہے۔ لوگ کہتے تھے تم پاگل ہو گئے ہو' لیکن یہی پاگل پن ' زندگی بلکہ حاصل زندگی تھا"۔ ایک مثال اور: "اب میری ہڈیوں میں ٹھنڈک اتر چکی ہے اور میں اس درخت کے مشابہ ہوں جو اپنی استعداد کے مطابق پھل دے کر کٹنے کا منتظر ہو۔ میں نے جو کچھ بھی کیا تاریخ کے بحر بے کراں میں اس کی حیثیت صحرا میں ریت کے ذرے سے بھی کم ہو گی۔ میں مر گیا تو چند برس بعد شاید میری قبر کا نشان بھی نہ ملے' لیکن نسلیں اس وقت بھی تفہیم القرآن پڑھ رہی ہوں گی"۔ (د ۔ ہ)

پیغمبر عالم ؐ : مولانا عبد المبین منظر۔ ادارۃ البحوث الاسلامیہ' جامعہ سلفیہ' بنارس ۔ صفحات: ۸۶۷ ۔ قیمت: درج نہیں۔ محنت سے تیار کردہ سیرت نگاری کے زریں سلسلے کی ایک تازہ کڑی۔ دیباچہ نگار مولانا عبدالرؤف رحمانی کے بقول' مولف نے واقعات کی تحقیق اور سنین کے تعین میں پوری عرق ریزی فرمائی ہے۔

عورت کو میراث سے محروم رکھنا ظلم ہے: مولانا محمد یوسف قریشی۔ موتمر المصنفین' جامعہ اشرفیہ' پشاور۔ صفحات: ۳۲ ۔ قیمت: درج نہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک مفید کوشش۔ مولف نے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ کچھ لوگ نماز' حج اور چلوں کا اہتمام کرتے ہیں' مگر دو باتوں میں شریعت کا پاس نہیں کرتے ' اول: محلات کی تعمیر میں مسرفانہ اور ظالمانہ اخراجات ' دوم: اللہ کے احکام کو ٹھکراتے ہوئے وراثت میں عورتوں کو حصہ ۔

مدیر کے نام

پروفیسر سید محمد سلیم 'لاہور

جسٹس کارنیلس (مئی ۹۵) پڑھا۔ جسٹس صاحب کی اصل تقریر سڈنی میں کی گئی تھی' وہاں اس نے غیر مسلم قانون دانوں سے خراج تحسین وصول کیا تھا۔ میں نے بھی ؛ان میں اس زمانے میں پڑھی تھی۔ اصل تقریر کا تاثر اس سے بہتر تھا۔ اس موضوع پر سب سے اچھا مضمون الیکس کیرل کا ہے۔ اس نے اپنی کتاب Reflection میں ایک مضمون میں جسمانی سزاؤں کو جیل خانہ کی سزاؤں سے افضل ثابت کیا ہے۔

خطاب احمد عباسی 'ایبٹ آباد

توہین رسالت (اپریل ۹۵) پر اشارات ہر مسلمان کے دل کی آواز ہیں۔ میں گذشتہ دو سال سے اس رسالہ کا قاری ہوں۔ سب سے اہم اور اچھا سلسلہ 'اشارات ہے۔

وارث خان شور 'مردان

فہم قرآن میں مختلف تفاسیر کا تقابلی مطالعہ فراہم کر کے آپ نے قارئین کو نئے طرز مطالعہ سے روشناس کروایا تھا لیکن اپریل ۹۵ میں اسے نہ پا کر بہت سے قارئین کی امیدوں کا خون ہوا ہو گا۔ تجویز ہے کہ یہ ہر ماہ آئے تاکہ جو مختلف تفاسیر کے مطالعہ کا موقع نہیں پاتے' اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ زیارت نبوی ؐ (اپریل ۹۵) جیسی عقلی اور مسجع تحریروں کے بجائے عام فہم انداز میں بات کی جائے تو موجودہ اردو داں طبقے کے لیے زیادہ مفید ہو گا۔ اسرائیل کا ایٹمی اسلحہ' چینی معاشرہ اور سائنسی ارتقا جیسے مضامین نے ہم تہی دستوں کو مالا مال کر دیا۔

محمد طاہر ہاشمی 'وہیرکوٹ 'باغ

'دل کی زندگی' (اپریل ۹۵) پڑھا۔ بہت پسند آیا۔ تحریر واقعی دل کی زندگی ہے۔

محمد اسماعیل ملک 'سوہاوہ 'جہلم

چین کا بے روح معاشرہ (اپریل ۹۵) پڑوسی ملک چین میں بڑھتے ہوئے جرائم اور معاشی و معاشرتی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ تمام حالات اپنی جگہ بجا لیکن میرا تجربہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ دنیا میں آبادی کے لحاظ سے اول اور رقبے میں تیسرا بڑا ملک جہاں پچاس سے زیادہ قومیں آباد ہیں' اب تک کمیونزم

نظریے کا حامی ہے۔ آزاد معیشت کی جو لہر اس ملک میں وارد ہوئی ہے تو کچھ تبدیلی تو رونما ہوتا تھی۔ عین ممکن ہے کہ چینی ان مسائل پر قابو پالیں۔ لیکن مغربی تجزیہ نگار مستقبل کی ابھی سے پیش گوئی کر رہے ہیں اور جسے دانستہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ بہت ہی ترقی یافتہ ممالک میں جرائم اور ان سماجی قباحتوں کا تناسب اس سے سوا ہے۔ تو پھر چین کو مورد الزام ٹھہرانا کیا۔ اگر آپ مسلمان اکثریت والے علاقوں کا دورہ کریں تو وہ لوگ ان حالات میں ہم سے بہتر مسلمان ہیں جو اتنی پابندیوں اور رکاوٹوں کے باوجود اپنے مذہب پر کاربند ہیں۔

محمد جمیل احمد، ڈیرہ غازی خاں

اعضا کی پیوند کاری پر دونوں مقالے (مارچ ۹۵) انتہائی محنت اور جانفشانی سے لکھے گئے ہیں۔ حوالوں کا التزام ایک خوش کن امر ہے۔

طاہر خان، اسلام آباد

ممکن ہے قارئین کے تاثرات تحریری شکل میں آپ تک بڑی تعداد میں نہ پہنچ رہے ہوں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ جہاں بھی جانے کا اتفاق ہوتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ہر قاری کے دل سے آپ کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ آپ واقعتاً معاشرے کے عام افراد سے لے کر جماعت کے کارکنان تک کو جھنجھوڑنے کا حق ادا کرنے کی اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

پروفیسر محمد سلیم، صوابی

آپ کے رسالے نے میرے قلب و نظر کے کئی تاریک نہاں خانوں کو منور کر دیا۔ یہ کوشش قابل تحسین ہے اور حق دار اجر بھی۔ تحریریں علمی لحاظ کے ساتھ ساتھ ادبی شان کی حامل ہیں۔ میرے پاس بہت سے ادبی رسائل آتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اس قدر بصیرت افروز نہیں ہے۔ مبارک ہو کہ آپ اس دور میں اسلامی اقدار کی آبیاری فرما رہے ہیں۔

عبد الرحمٰن عبد، اسلام آباد

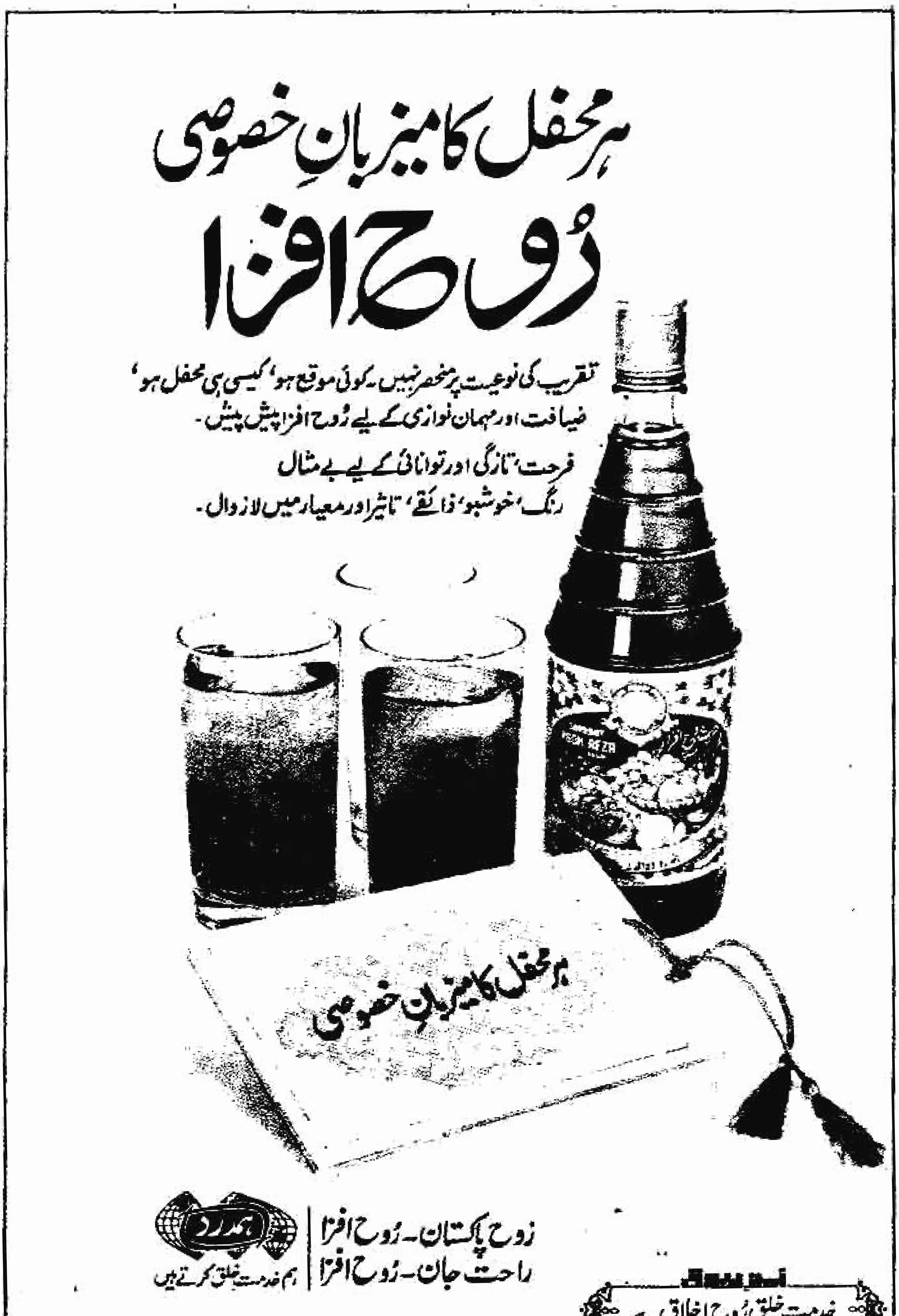
آپ نے اپنی محنت اور لگن سے ترجمان کو یک دم تابندہ و درخشندہ کر دیا ہے۔ خدا کرے یہ آپ کی ادارت میں اسی طرح مزید ترقی کرے اور افکار تازہ کا سرچشمہ بنا رہے کہ جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود۔

محمد انور زاہد، ننکانہ صاحب

رسالے کی ایک اپنی انفرادی حیثیت ہے۔ تمام مضامین تعمیری اور فکر انگیز ہوتے ہیں۔ رسائل و مسائل کا سلسلہ بہت ہی اچھا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر کم مضامین شائع ہوتے ہیں۔

رفیع الدین ہاشمی، لاہور

عنایت علی خاں (مدیر کے نام مئی ۹۵) سے متفق ہوں۔ افراط و تفریط سے بچنا ضروری ہے۔ مگر یہ بات کہ اردو میں حمدیہ مجموعہ صرف ایک ہے، درست نہیں ہے۔ ۱۵، ۱۶ حمدیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔



ADARTS

HMD-6 87

احباب پارک
ملتان روڈ لاہور

گلشن احباب
فیز I ملتان روڈ لاہور

گلشن احباب
فیز II لنک فیروزپور روڈ لاہور

منظرِ کوہسار
اسلام آباد

شاداب کالونی
فیروزپور روڈ لاہور

پانچ رہائشی منصوبوں کی شاندار کامیابی کی حامل اور آپ کے کامل اعتماد کی مظہر

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی (پرائیویٹ) لمیٹڈ



اسلام آباد سے متصل مرگلہ ہلز کے
حسین دامن میں ایک نیا دلپذیر شہر

منظرِ کوہسار

ترقیاتی کام جاری ہیں

ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ حکومت پنجاب اور
ڈسٹرکٹ کونسل راولپنڈی سے منظور شدہ سڑکیں،
سیوریج، بجلی، پانی، سکول، کمیونٹی سنٹر، قبرستان
مسجد اور ہسپتال، خوبصورت جھیل

قیمت ۲۲ ہزار روپے فی مرلہ مگر
۳۰ جون ۹۵ سے پہلے بکنگ کرانے
پر ۲ ہزار روپے فی مرلہ کی خصوصی رعایت
۳ ہزار روپے فی مرلہ کے حساب
سے بکنگ کرالیں
کنال: 600 مربع گز

فیروزپور روڈ پر چونگی امرسدھو سے ۲ کلومیٹر
ایل ڈی اے سے منظور شدہ

شاداب کالونی

کشادہ سڑکیں، خوبصورت پارکیں، مسجد، ڈسپنسری،
سکول، مارکیٹیں، ٹیلیفون اور سوئی گیس کی سہولت
موجود۔ سکول، کالج اور بڑے ہسپتال قریب تر
ترقیاتی کام جاری ہیں۔ کنال: ۵۰۰ مربع گز

قیمت ۲۴ ہزار روپے فی مرلہ مگر
۳۰ جون ۹۵ سے پہلے بکنگ کرانے
پر ۲ ہزار روپے فی مرلہ کی خصوصی رعایت
تین ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے
ڈرافٹ بھیج کر بکنگ کرالیں
باقی رقم تین سال کی قسطوں میں

گلشن احباب فیز II لنک فیروزپور روڈ میں ڈبل پلاٹوں کی بکنگ جاری ہے

شاداب کالونی فیروزپور روڈ میں کمرشل پلاٹوں کی بکنگ جاری ہے

تحریک اسلامی سے
وابستہ افراد کا با اعتماد ادارہ

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ

بٹ ہاؤس 6-A فیض روڈ اولڈ مسلم ٹاؤن لاہور۔ فون: 5865371

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ ترجمان القرآن کے بعض اہم مضامین کے ری پرنٹس خوبصورت ٹائیٹل کے بغیر محض لاگت پر سینکڑہ کے حساب سے دستیاب ہیں۔ نقد ادائیگی پر یا وی پی کے ذریعے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ کم سے کم ۱۰۰ کتابچوں کا آرڈر لازمی ہے۔ کوئی ایک مضمون ۲۵ سے کم نہ طلب کیا جائے۔

امید ہے کہ معاشرے کی بہتری اور اس میں تبدیلی لانے کے لیے جو افراد' ادارے اور تنظیمیں سرگرم عمل ہیں وہ اس سہولت سے فائدہ اٹھائیں گی اور بڑی تعداد میں کتابچے حاصل کرکے نہ صرف اپنے حلقہ تعارف و اثر میں بلکہ نئی نئی جگہ پر پھیلائیں گی۔

۱۔ تحریک اسلامی: کارکنوں کے اوصاف	پروفیسر غلام اعظم	مئی ۹۵		۱۳۰ روپے سینکڑہ
۲۔ نئی صلیبی جنگ: دینی مدارس کے دروازوں پر	خرم مراد	اشارات مئی ۹۵		۱۰۰ روپے "
۳۔ توہین رسالت کا مقدمہ	خرم مراد	اشارات مئی ۹۵		۱۰۰ روپے "
۴۔ رب کے در پر	مسلم سجاد	فروری ۹۵		۵۰ روپے "
اس ماہ کے اشارات 'دہشت گرد کون'	از خرم مراد		-/۱۰۰	روپے "

[ڈاک خرچ بذمہ خریدار]

منشورات

ترجمان ری پرنٹس سروس

منصورہ' لاہور۔54570

REGD. NO. L 5340 PHONES : 7587916 7585590

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE